www.paksociety.com
تعلیم و تربیت
اپریل 2014ء
فضل بن کرجیو
صفحہ نمبر:6
برائی کی موت
صفحہ نمبر:37
بولنے والے جوتے
SCANNED BY PAKSOCIETY
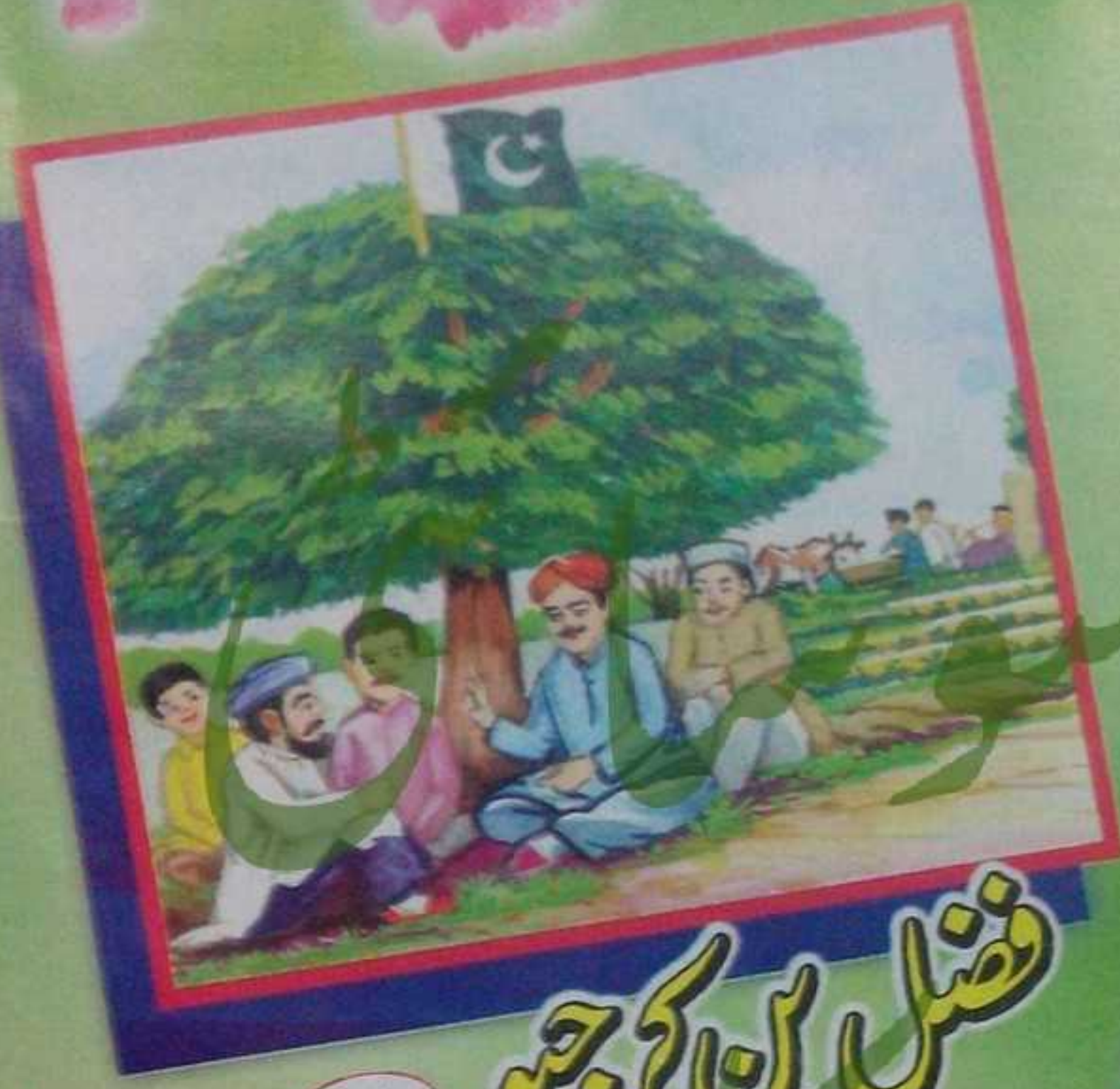
# تعلیم و تربیت

73 واں سال بارہواں شمارہ
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا
اپریل 2014ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

نوشیرواں فارس (ایران) کا بادشاہ تھا جسے عرب کے مورخ کسریٰ اور مغرب والے خسرو کہتے تھے۔ نوشیرواں بڑا منصف مزاج اور عادل بادشاہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے شاہی محل بنوانا چاہا تو اس کے چوکور بنانے کے لیے ایک طرف کسی قدر زمین کی ضرورت تھی جس پر ایک غریب بوڑھی عورت کا جھونپڑا بنا ہوا تھا۔ بادشاہ کے اہل کاروں نے اس بوڑھی عورت سے زمین کا ٹکڑا خریدنا چاہا تو اس نے بیچنے سے انکار کر دیا۔ نوشیرواں کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو اس نے کہا: "محل چوکور نہ بنے تو بلا سے، مگر بڑھیا پر جبر نہ ہو۔"

جب شاہی محل تیار ہوا تو ایک طرف سے ٹیڑھا تھا۔ بڑھیا نوشیرواں کے دربار میں حاضر ہوئی اور عرض کی: "جہاں پناہ! بیچ شاہی محل اس جھونپڑے کی زمین لیے بغیر ٹیڑھا تر چھا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ میں اپنی زمین بغیر قیمت کے آپ کو دیتی ہوں۔" نوشیرواں نے بڑھیا سے پوچھا: "تم نے پہلے زمین دینے سے کیوں انکار کر دیا تھا؟" بڑھیا نے جواب دیا: "اے بادشاہ! صرف اس لیے کہ دنیا بھر میں آپ کے انصاف کا ڈنکا بج جائے۔" اس پر نوشیرواں نے بڑھیا کو تو انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا مگر اس کی زمین نہ لی اور محل کو بدستور ٹیڑھا رہنے دیا۔ پیارے بچو! نوشیرواں اور بڑھیا تو دونوں اس دنیا میں نہیں رہے مگر اس عادل بادشاہ کی کہانی ابھی تک لوگوں کی زبان پر ہے۔ اس بادشاہ کا انصاف ایک ضرب المثل بن گیا ہے اور ہر ایک سے اس منصف بادشاہ کی تعریف کرا رہا ہے۔ ہمیں اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہر کام میں انصاف اور مروت سے کام لینا چاہیے تاکہ اس سے خدا بھی خوش ہو جائے اور اس کی مخلوق بھی راضی ہو جائے۔

پیارے بچو! جب سے تعلیم و تربیت کا اجراء کیا گیا ہے، ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ بچوں کے لیے ایسی تحریریں شائع کی جائیں جس سے تفریح کے ساتھ ساتھ بچوں کی کردار سازی بھی ہو۔ اس رسالے سے مستفید ہونے والے بے شمار بچے اس وقت زندگی کے مختلف شعبوں میں وطنِ عزیز کی تعمیر و ترقی کے لیے اپنا کردار بھرپور طریقے سے ادا کر رہے ہیں۔ تعلیم و تربیت بلاشبہ اس وقت بچوں کا سب سے محبوب اور پسندیدہ رسالہ ہے۔ ساتھیو! ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی، کاغذ، بجلی، لیبر کی قیمتوں میں اضافہ کے باعث ہم بحالتِ مجبوری اگلے شمارے کی قیمت میں پانچ روپے کا اضافہ کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اسے بخوشی قبول کریں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کے پسندیدہ سلسلوں میں کچھ ضروری رد و بدل کیا گیا ہے سابقہ سلسلہ "آیئے عہد کریں" ختم کیا جا رہا ہے۔ قارئین کی پُرزور فرمائش تھی کہ پسندیدہ اشعار کا سلسلہ شروع کیا جائے لہٰذا نیا سلسلہ "میری بیاض سے" کے عنوان سے شروع کیا جا رہا ہے امید کی جاتی ہے کہ آپ معیاری اور اچھے اشعار بھیجیں گے اس کے علاوہ گراں قدر تعلیمی انعامات میں اضافہ کیا گیا ہے۔

ناول "دولت پور میں" کے بارے میں ہمیں بے شمار تعریفی خطوط ملے ہیں۔ اس ناول کی ہر قسط پچھلی قسط سے زیادہ دل چسپ اور حیرت انگیز ہوگی۔ آپ کی پسندیدگی اور حوصلہ افزائی کا بے حد شکریہ۔ امید ہے کہ آپ اپنے سالانہ امتحانات میں کامیاب ہو کر نئی کلاسز میں داخل ہو چکے ہوں گے۔ بہت سارے ساتھیوں نے ہمیں اپنے پاس ہونے کی خوش خبری سنائی ہے۔ ہماری طرف سے سب کو دلی مبارک ہو۔ اللہ کرے آپ اسی طرح خوب محنت کرتے رہیں اور کامیابیاں آپ کے قدم چومتی رہیں۔

آپ خوش رہیں، شاد رہیں اور آباد رہیں۔ فی امان اللہ!

(ایڈیٹر)

## اس شمارے میں



اور بہت سے دل چسپ تراشے اور سلسلے

سرکولیشن اسسٹنٹ: محمد بشیر راہی
اسسٹنٹ ایڈیٹر: عابدہ اصغر
ایڈیٹر، پبلشر: ظہیر سلام

خط و کتابت کا پتا
ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور۔
UAN: 042-111 62 62 62 Fax: 042-36278816
E-mail:tot.tarbiatfs@gmail.com
tot.tarbiatfs@live.com

پرنٹر: ظہیر سلام
مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔
سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہ قائداعظم، لاہور۔

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر، ماہنامہ "تعلیم و تربیت" 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36361309-36361310 فیکس: 36278816

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک)= 850 روپے۔
مشرقِ وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے)= 2400 روپے۔
ایشیا، افریقا، یورپ (ہوائی ڈاک سے)= 2400 روپے۔
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا، مشرقِ بعید (ہوائی ڈاک سے)= 2800 روپے۔

## حمد باری تعالیٰ

ہے فضل مجھ پہ ترا بے حساب یااللہ
نہ تیری مثل نہ تیرا جواب یااللہ

فلک کو چاند ستاروں سے کر دیا روشن
چمن میں تو نے کھلائے گلاب یااللہ

ترے ہی سامنے سب لوگ سربسجدہ ہیں
تو سب پہ کھول نوازش کے باب یااللہ

رہے گی ذات فقط تیری تا ابد قائم
حیات ہو نہیں سکتی سراب یااللہ

ہر آن تو ہی نظر آئے جا بجا ہم کو
ہر امتحاں میں تو کر کامیاب یااللہ

ترا ضیاء تری حمد و ثنا میں ہے مصروف
کرم ہے مجھ پہ ترا بے حساب یااللہ

## نعت رسول مقبولؐ

روشنی آپؐ سے آگہی آپؐ سے
زندگی، زندگی ہے بنی آپؐ سے

آپؐ میری تمنا مری آرزو
میری ہر سانس ساری خوشی آپؐ سے

آپؐ اللہ سے جوڑ دیتے ہیں دل
گلشن جاں میں ہے تازگی آپؐ سے

آپؐ ہی کے لیے سارے عالم بنے
حسن قدرت میں ہے دلکشی آپؐ سے

آپؐ سر تا پا رحمت عالم ہیں
دشمنوں کو بھی راحت ملی آپؐ سے

ہر طرف ہے ضیائے رسولؐ خدا
ہر اجالے میں ہے روشنی آپؐ سے

ضیاء الحسن ضیا

درسِ قرآن و حدیث

محمد طیب الیاس

# گالی گلوچ

پیارے بچو!

گالی دینا انتہائی برا کام ہے۔ گالی گلوچ سے لڑائی جھگڑے جنم لیتے ہیں اور معاشرہ میں فتنہ وفساد پھیلتا ہے۔ آپس کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنی زبان کو گالیوں سے آلودہ کرے۔ قرآن پاک اور احادیث طیبہ میں اس برے کام سے سختی سے روکا گیا ہے۔ چناں چہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”مسلمان کو گالی دینا بڑی گناہ گاری کی بات ہے۔“

(بخاری شریف، کتاب الادب 6044، مسلم شریف، کتاب الایمان:64)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”فحش کلامی (گالی) سے بچو کہ اللہ تعالیٰ فحش اور فحش گوئی کو پسند نہیں کرتا۔“

(مستدرک حاکم، کتاب اللباس:7371)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیوں کہ پھر وہ جہالت کی وجہ سے حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔“

(الانعام:108)

اس آیت میں مشرکین کے بتوں کو گالیاں دینے سے بھی منع فرمایا۔ اور وجہ یہ بتائی کہ تم ان کے بتوں کو گالی دو گے تو وہ تمہارے معبود برحق کی شان میں گستاخی کریں گے، پس تم اس کا ذریعہ کیوں بنتے ہو کہ وہ تمہارے رب کو گالی دیں۔

اسی طرح زندوں کے علاوہ مردوں کو بھی گالی دینے سے منع فرمایا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”مردوں کو گالی مت دو، جس کی وجہ سے تم زندوں کو تکلیف دو گے۔“

(ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الشتم:1982)

یعنی جب مردوں کو گالی دو گے تو ان کے متعلقین جو زندہ ہیں ان کو تکلیف پہنچے گی اور اس سے دوہرا گناہ ہوگا۔ ایک اموات کو گالی دینے کا دوسرا ان کے متعلقین کا دل دکھانے کا۔

اسلام ایک پاکیزہ دین ہے۔ اس میں جانوروں تک کو گالی دینے سے منع فرمایا ہے۔ چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”مرغ کو گالی نہ دو کیوں کہ وہ نماز کے لیے جگاتا ہے۔“

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی الدیک والبھائم:5101)

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے چند عہد لیے، ان میں سے ایک عہد یہ بھی تھا کہ ”کسی کو گالی نہ دو۔“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہوئے اس عہد کو پورا کیا اور اس کے بعد نہ شریف اور غلام کو گالی دی اور نہ کسی اونٹ، بکری، جانور کو گالی دی۔

(ابوداؤد شریف، کتاب اللباس:4084)

پیارے بچو! گالی دینا بہت برا کام ہے۔ جب کہ یہ گناہ ہمارے اندر بہت عام ہے۔ معمولی سے معمولی بات پر ہم گالیاں دینے لگتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اس سے ہماری زبان بھی گندی ہوتی ہے، آپس میں ناچاقیاں اور جھگڑے جنم لیتے ہیں، اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے ناراض ہوتے ہیں۔ دیکھیے! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کو سکھایا کہ کسی کو گالی نہیں دینی تو انہوں نے اس پر ایسا عمل کر کے دکھایا کہ اس کے بعد کسی انسان تو کیا کسی جانور کو بھی گالی نہیں دی۔ ہمیں بھی بالکل اسی طرح اپنی زبان کو گالیوں سے پاک رکھنا ہوگا۔ تو کیوں بچوں آپ اس کے لیے تیار ہے ناں؟

# مُحسنِ انسانیت

سید ریاض گیلانی

رحمت اللعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا، مسلمانوں کے ایمان کا تقاضا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اور کس کی محبت ہو سکتی ہے؟ یہ محبت دنیا کی تمام محبتوں پر فضیلت رکھتی ہے کیوں کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ رب العزت نے حضورؐ کو اپنے ساتھ محبوب و مطلوب کائنات قرار دیا ہے۔ جب بھی کسی کی تعریف بیان کی جاتی ہے یا کرنی ہوتی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے اچھی طرح جانتا اور پہچانتا ہو۔ آقائے نامدار کی شان اتنی بلند و بے پایاں ہے کہ کسی انسان کے لیے اس کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ اسے سمجھ ہی نہیں آ سکتی حضورؐ کی ذات کو اگر کوئی جانتی اور پہچانتی ہے تو وہ رب العزت ہی ہے۔ اس لیے حضور کی شان جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین قرآن حکیم میں جا بجا فرمائی ہے، اس طریقہ سے حضورؐ کی شان کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ گو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا دیا ہے، اس کی صحیح تفسیر وہ خود ہی جانتا ہے یا وہ جنہیں اس نے بصیرت عطا فرمائی ہے۔

اللہ جل شانہٗ نے ہادی برحق حضورؐ کی اطاعت کا بار بار نہایت واضح الفاظ میں اور بڑی تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے، جس پر متعدد آیات قرآنی شاہد ہیں۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا مطالبہ فرمایا ہے ساتھ ہی آقائے نامدارؐ کی اطاعت کا حکم بھی دیا ہے۔

''اور اللہ اور رسولؐ کے فرمانبردار رہو، اس امید پر کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' یعنی اللہ کی اطاعت کے ساتھ اللہ کریم کی رحمت طلب حاصل کرنے کے لیے حضورؐ کی اطاعت لازمی ہے اور رحمت خداوندی صحیح معنوں میں حضورؐ کی اطاعت کے بغیر حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ جہاں حضورؐ کا کوئی قول و فعل سامنے آ جائے، وہاں اپنے فیصلے کو ترک کر دیا جائے اور وہ کام حضورؐ کے فرمان کے مطابق سرانجام دیا جائے۔ حضورؐ کی محبت ایک بہت بڑا خزینہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں کو اس خزانے سے بھر دیا ہے۔ اسی عشق محبت کی وجہ سے امت وجود میں آئی۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کے مدعی ہیں اور دل و جان سے چاہتے ہیں کہ اللہ ان سے محبت کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر بھی غور کر لیں۔

''اے نبیؐ! لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے اپنے والدین، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

اطاعت کا صحیح مقصود اور صحیح مفہوم اسی وقت حاصل ہوتا ہے جس وقت کہ اپنی زندگی کے ہر پہلو کو اُن کے احکام کے مطابق بنا لیا جائے، اور یہ اطاعت صرف ظاہری نہ ہو بلکہ دل اس سے ایک قدم آگے ہو۔

"اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرے تو اس نے بڑی کامیابی پائی۔" اور دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لیے محبوب خدا ﷺ کی اطاعت اور غلامی ضروری ہے۔ آج یہ وقت سب کو اللہ کے رسولؐ کی دعوت، تحریک اور سیرت و کردار اور اخلاق کی یاد تازہ کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ حضورؐ پر ایمان، حضورؐ سے محبت رکھے بغیر مکمل نہیں ہوتا اور ایمان کی طرح محبت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ رحمت للعالمین کے لائے ہوئے دین، ان کی تعلیمات، حضورؐ کی حکمت اور حضورؐ کی سنت کی پیروی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے کامل اتباع و اطاعت اور پیروی کو ایمان کے لیے ضروری شرط قرار دیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسولؐ کی زندگی کو تمام انسانوں کی رہنمائی کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ عشق رسولؐ کا اہم ترین تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسولؐ جس ہدایت اور دین حق کو لے کر آئے ہیں، اسے زندگی کے پورے نظام پر قائم کر دیا جائے اور جو نظام زندگی دنیا میں نفس پرستی اور ظلم و جبر پر قائم ہے، اسے مٹا دیا جائے۔ کسی بڑے سے بڑے انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ نبیؐ کے اس مشن کے بالمقابل اپنی مرضی و منشا یا کسی دوسرے فلسفی اور دانشور کے طے کردہ تہذیب و تمدن، معاشرت اور معیشت کو جاری و ساری کرے، بلکہ آپؐ کی باتوں میں جو حکمت پوشیدہ ہے۔ اسے بھی سیکھیں اور اپنے نفوس کا بھی حضورؐ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق استفادہ کرتے ہوئے تزکیہ کر سکیں۔ دنیا اور دنیا والوں کی سب کی عقلیں حضورؐ کے آگے ریگستانوں میں سے ایک ذرہ کی مانند ہیں اور یہ سب فضل حضورؐ کی تشریف آوری سے ہوا ورنہ اس سے پہلے تو کھلی گمراہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی بعد کے زمانوں میں آنے والوں کو بھی اس میں شمولیت کی خبر اور خوش خبری دی جا رہی ہے اور یہ اس بڑے فضل والے کا فضل ہے۔

"بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں، انھی میں سے ایک رسولؐ بھیجا جو اُن پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔" یعنی یہ کتنی بڑی اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ اس نے حضورؐ کو مومنوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا اور ہم گنہگاروں پر احسان عظیم فرمایا۔

اور جس بات کا اللہ تعالیٰ احسان جتلائے کتنی عظیم بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے محبوبؐ کی پوری طرح سے اطاعت اور پیروی کی جائے۔ یہاں ہی اپنی فکر و دانش، عقل و فہم اور ادراک کو حضورؐ کی ہر ادا اور ارشاد کے تابع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ تب ہی ہم اللہ کی خوشنودی، مغفرت اور رحمت کی امید رکھ سکتے ہیں۔ جو شخص ایمان لانے کے بعد فرمان محبوب خدا ﷺ کی نافرمانی کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہو گا۔ سب نیکیاں اکارت جاتی ہیں۔ ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت صرف ظاہری ہی نہیں بلکہ ہمارے دلوں کو بھی جانتا ہے۔

مومنوں کو اللہ کریم نے ایسے لوگوں سے دوستی رکھنے یا روابط رکھنے سے سختی سے منع فرمایا ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کریں۔ مخالفت رکھنے والے کے ساتھ دوستی رکھنے والا مومن نہیں ہو سکتا۔ خواہ ایسے لوگ اپنے ماں باپ، بھائی اور بیٹے ہی ہوں۔

اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم کسی کام سے متعلق معلوم ہو جائے تو پھر مومن کے لیے اپنی مرضی کی بات یا کام کرنا بعید از قیاس ہونا چاہیے اور اپنے نفس اور خواہش کی پیروی ترک کرنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی امت کو بہترین امت قرار دیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم، ایمان لانے والوں پر ہے کہ اُن کو ہدایت اور نور ایمان سے مزین فرمایا اور سچے مسلمان کی یہی نشانی ہے کہ وہ اپنے ایمان اور ہر نیکی کی توفیق کو اللہ تعالیٰ کا کرم اور احسان سمجھے۔ سارے زمانے میں آپؐ کا ذکر اور نام بلند و ارفع کر دیا۔ حضورؐ کا ذکر اور تمام دنیا کے گوشے گوشے میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں حضورؐ کے نام لینے والے اور اُن کے نام پر مر مٹنے والے موجود نہ ہوں۔ کافر و مشرک مانیں یا نہ مانیں، خواہ مزاحمت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں، نبیؐ کے جانے کے بعد مشن ختم نہیں ہو گیا، بلکہ آپ رسول اللہ ﷺ کو ماننے والے اور ان سے والہانہ محبت کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کو اتباع اور اطاعت رسولؐ کے لیے بلائیں اور انہیں ایک لڑی میں پروئیں۔ دین حق کو غالب کرنے کی کوشش کریں جس طرح رسولؐ نے اپنی زندگی میں روا رکھا ہے اور ان کو احسان دلائیں کہ نمائشی محبت کی بجائے، محبت کے حقیقی تقاضوں کو سمجھیں اور یہ جان لیں کہ یہ محبت ہم سے کن قربانیوں کا مطالبہ کرتی ہے۔ ☆☆

# فضل بن کر جیو

جدون ادیب

وہ جمعے کا دن تھا۔ محلے کے میدان میں لڑکے باہر جمع تھے۔ کچھ لڑکے اب بھی کھیل رہے تھے اور زیادہ تر کھیل ختم کر کے واپس جا رہے تھے اور کچھ وہیں بیٹھ کر سستا رہے تھے۔

ناصر اور اس کے دوست ایک طرف قدرے خراب موڈ اور پریشانی کے عالم میں بیٹھے تھے۔ ان کے لیے پہلے ہی پریشانی کم تھی کہ ایک اور پریشانی آن کھڑی ہوئی تھی۔

کہانی یہ تھی کہ اس میدان میں بدھ کے روز بچت بازار لگتا تھا۔ اگلے دن دوپہر تک صفائی ستھرائی کی وجہ سے بچے میدان میں کھیل نہیں پاتے تھے اور اب میدان میں اتوار بازار لگانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ چھٹی کے دن میدان بچوں کی رسائی سے دُور ہو جائے گا۔

بدھ بازار بہت عرصے سے لگ رہا تھا اور علاقے کے لوگوں نے یہ سلسلہ اپنی مدد آپ کے تحت شروع کیا تھا۔ میدان کے ایک طرف نکاسی کا بڑا نالہ گزرتا تھا۔ محلے کے ایک آدمی جگو بھائی نے وہاں پر کچھ زمین میدان کی اور نالے کے ساتھ اس کی دوسری طرف ایک بڑا قطعہ باڑے کے لیے دبا رکھا تھا اور چار دیواری بھی بنا دی تھی۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ اس کے پولیس سے تعلقات ہیں اور وہ انہیں بھتہ دیتا ہے۔ اس کی شہرت اچھی نہ تھی اور وہ ایک مغرور اور شر پسند انسان تھا۔ اسی نے اپنے طور پر اتوار بازار لگانے کا منصوبہ بنایا تھا، جس سے وہ معقول آمدنی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ فطری طور پر محلے والوں پر اس کا رُعب و دبدبہ تھا اور اس کے خلاف بولنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ بچوں نے اپنے بڑوں سے شکایت لگائی تھی مگر کسی نے بھی انہیں مثبت اور حوصلہ افزا جواب نہیں دیا تھا۔ سب سفید پوش اور غریب لوگ تھے اور کسی قسم کے پھڈے میں نہیں پڑنا چاہتے تھے۔

ناصر اور اس کے دوستوں کے لیے بدقسمتی خاص طور پر یوں ہوئی کہ انہوں نے اسی اتوار کو پاس کے محلے کی ٹیموں کا مقابلہ کرنے کا پروگرام بنا لیا تھا اور ٹورنامنٹ کی فیس بھی اکٹھی کر لی تھی اور کسی انہونی کے انتظار میں انہوں نے ٹورنامنٹ کینسل نہیں کیا تھا مگر کب تک، کل رات کو میدان میں شامیانے میزیں اور دوسرا سامان اترنا تھا اور اتوار کے لیے کھیلوں اور پتھاروں کی بکنگ ہو چکی تھی۔

میدان کے سامنے شیر بہادر کا گھر تھا۔ وہ ایک کمپنی کی کینٹین میں کام کرتا تھا۔ اس کے گھر والے گھر میں پکنے والی پہلی روٹی خود

نہیں کھاتے تھے اور اپنی رسم کے مطابق کسی کو بھی باہر آ کر دے دیتے تھے۔ چونکہ تندور کی پہلی روٹی خستہ اور نمکین ہوتی تھی، اس لیے بچے بڑے شوق سے کھاتے تھے۔

ناصر اور اس کے دوست گپ شپ لگا رہے تھے کہ شیر خان گھر سے نکلا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی روٹی تھی۔ وہ سیدھا انہی کی طرف آ گیا اور سلام کر کے روٹی ان کے حوالے کی اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ باتوں باتوں میں اتوار بازار کا ذکر ہوا تو شیر خان نے بھی اس کی مخالفت کی۔ جب ذکر اس کے خلاف پہل کرنے کا ہوا تو وہ سینہ تان کر کھڑا ہو گیا کہ وہ بات کرے گا۔ سب کو اس کی بات سے خوشی ہوئی۔ پھر اس نے اپنے گاؤں کے ایک بہادر لڑکے فضل حاجی کا قصہ سنایا جس کی غیرت اور بہادری کو ایک عرصے سے اس کے گاؤں کے لوگ یاد رکھے ہوئے تھے۔ فضل حاجی بوڑھا ہو گیا تھا مگر اب بھی اس میں اکڑ باقی تھی مگر اس کے اندر یہ اکڑ دوسروں کی مدد کے لیے پیدا ہوتی تھی۔

شیر خان نے لڑکوں کو بتایا کہ جہاں ان کے گاؤں کی حدود ختم ہوتی ہے، وہاں ایک جگہ بیٹھنے کے لیے بنی ہوئی تھی۔ نیم کا بڑا سا درخت تھا۔ اس کے سائے میں لوگ بیٹھا کرتے تھے۔ یہ راہگزر بھی تھی اور کسی نے حد بندی کے لیے وہاں نیم کے درخت کے اوپر ایک جھنڈا لگا رکھا تھا۔ دُور سے یہ جگہ بہت خوب صورت لگتی تھی اور لہراتا سبز جھنڈا بڑا دل کش منظر دکھاتا تھا۔ ایک مرتبہ ساتھ والے گاؤں کے خان نے اس جگہ اور اردگرد کی جگہ پر دعویٰ کیا اور پٹواری کو ساتھ لا کر جگہ کی حد بندی کرنے لگا۔ خان کے ساتھ اس کے مسلح محافظ بھی تھے۔ اس کے آدمیوں نے درخت پر چڑھ کر جھنڈا اتار دیا اور چلے گئے۔

گاؤں کے لوگوں کو اس بات سے بہت دکھ ہوا۔ وہ جگہ راہگزر تھی۔ اس کے ایک طرف گاؤں اور دو اطراف میں کھائیاں تھیں اور خان سے پہلے کسی نے اس جگہ پر اپنا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ فضل اس وقت ایک کڑیل جوان تھا مگر ایک غریب کسان کا بیٹا تھا۔ وہ مزاجاً قدرے سخت تھا مگر اپنے معاملے میں ہمیشہ درگزر کر جاتا تھا، البتہ دوسروں کے معاملے میں ہمیشہ جھگڑا کرنے پر آمادہ رہتا تھا۔

وہ جنگل سے لکڑیاں لینے گیا ہوا تھا۔ دو دن بعد واپس آیا اور خان کی کارستانی کا اسے پتا چلا تو وہ غصے سے بھر گیا۔ اس نے اپنے گھر والوں سے جھنڈے کے لیے کپڑا مانگا مگر ان کے پاس ہرے رنگ کا کپڑا نہ تھا۔ وہ اس وقت نزدیکی قصبے کی طرف روانہ ہو گیا اور وہاں دکان سے جھنڈے کے لیے کپڑا لایا۔ درزی سے جھنڈا بنوایا اور اکیلا جا کر نیم پر چڑھ کر جھنڈا باندھ دیا۔ قریب ہی خان کا مزارع بکریاں چرا رہا تھا۔ فضل نے اسے کہا کہ خان کو جا کر بتا دے کہ فضل نے جھنڈا لگا دیا ہے، ہمت ہے تو اتار کر دکھائے۔

فضل جا کر سو گیا۔ دوسرے دن گاؤں کے لوگ اٹھے تو وہاں جھنڈا لہراتا دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ جب انہیں فضل کے کارنامے کا پتا چلا تو وہ بھی مارنے مرنے پر تل گئے اور اپنے اپنے ہتھیار صاف کرنے لگے۔ پھر دن پر دن گزرتے گئے مگر کسی نے جھنڈا اتارنے کی ہمت نہ کی اور خان نے اس طرف آنا چھوڑ دیا اور اپنے دعوے سے دستبردار ہو گیا۔ فضل ہمت و جرأت کی مثال بن گیا۔

شیر خان نے کہانی ختم کرتے ہوئے کہا۔ ”ہمارے گاؤں میں جب کسی کو غیرت دلانی ہو تو اسے کہتے ہیں فضل بن کر جیو۔ پھر پڑھے لکھے لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ضمیر کے قیدی مت بنو، فضل بن کر جیو۔“

”کہانی بہت متاثر کن ہے۔“ ناصر نے تبصرہ کیا۔

”یعنی بغیر لڑے بھڑے جرأت کی مثال بننا...... بہت اعلیٰ بھئی۔“ جمیل بولا۔

شیر خان اٹھتے ہوئے بولا۔ ”میرے بچے چھوٹے ہیں، وہ اس میدان میں نہیں کھیلتے مگر میں آپ لوگوں کے کسی بھی بدمعاش سے بات کر سکتا ہوں، جب میری ضرورت ہو آپ لوگ مجھے بلا لینا۔“

شیر خان کے جانے کے بعد ناصر اور اس کے دوست دیر تک صلاح مشورے کرتے رہے پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ ٹورنامنٹ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہو گا۔

اس اعلان نے سب کو جوش سے بھر دیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی لڑائی خود لڑیں گے اور شیر خان کو زحمت نہیں دیں گے۔ وہ ضمیر کے قیدی نہیں بنیں گے اور فضل بن کر جئیں گے۔

دوسرے دن شام کے وقت اتوار بازار کے لیے شامیانوں اور میزوں سے بھرا ٹرک رکا تو ناصر نے ڈرائیور کو سامان اتارنے سے روک دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ واپس چلا جائے۔ ڈرائیور حیرت سے ناصر کو دیکھنے لگا۔

ناصر سخت لہجے میں بولا: ''اگر تم نے یہ سامان اتارا تو صبح تک اس کے محفوظ ہونے کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ کل اس میدان میں بہت بڑا ٹورنامنٹ ہو رہا ہے۔ ہم نے متفقہ فیصلہ کر لیا ہے کہ بدھ بازار کے علاوہ اس میدان میں کوئی بازار نہیں لگے گا۔''

ڈرائیور طنزیہ انداز میں بولا: ''لڑکے! اپنی خیریت کی فکر کرو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ سیٹ اپ جگو دادا کا ہے۔''

ناصر ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ ''ہم جگو دادا کے دادا فضل دادا کے آدمی ہیں۔ اب جو بدمعاشی کرے گا، اس کی تواضع بھی کریں گے۔ بہتر ہوگا تم لوٹ جاؤ اور جگو دادا کو بھیج دو۔ ہم ان کا شاندار استقبال کریں گے۔''

ڈرائیور نے گردن گھما کر دیکھا۔ محلے کے کافی لڑکے جمع تھے اور ان کے تیور بدلے بدلے لگ رہے تھے۔ ڈرائیور نے شانے اچکائے اور واپس مڑ گیا۔

اس رات لڑکوں نے دیر تک جگو دادا کا انتظار کیا مگر وہ نہ آیا۔ لڑکوں نے میدان کی صفائی ستھرائی کی اور کل کے ٹورنامنٹ کے لیے چونے سے باؤنڈری بھی بنا دی۔ دوسرے دن ٹورنامنٹ بڑے جوش اور جذبے سے ہوا۔ ناصر نے اپنے کھلاڑیوں کو جارحانہ انداز سے کھیلنے کو کہا۔ کاشف نے از راہ مذاق پوچھا۔ ''یعنی تم کہہ رہے ہو فضل بن کر جئیں۔'' ''فضل حاجی!'' ناصر نے مسکرا کر تصحیح کی۔ ''ہاں میرا مطلب یہی ہے۔''

ناصر کی ٹیم کھیل پر چھا گئی اور اپنا منعقد کردہ ٹورنامنٹ جیت لیا۔ اس شام جگو دادا نے محلہ کمیٹی کے دفتر میں اپنے آدمی بھیج کر لڑکوں کی شکایت لگائی۔

کمیٹی کے صدر جگو دادا کو سخت ناپسند کرتے تھے مگر اس کے خلاف کچھ کر نہیں پا رہے تھے۔ اب جو انہیں نوجوانوں کا ساتھ ملا تو وہ بھی ڈٹ گئے اور بولے: ''لڑکوں نے جو کیا، درست کیا۔ انہیں پورے محلے کی حمایت حاصل ہے۔ جا کر جگو بھائی کو بتا دو کہ میں نے محلے داری کی وجہ سے ان کا بہت لحاظ کیا ہے مگر تھانے سے اوپر کی سطح پر کارروائی کے لیے مجھ پر بہت دباؤ ہے۔ جگو بھائی کے غیر قانونی باڑے کے خلاف میرے پاس کئی درخواستیں جمع ہیں۔ بہتر ہوگا کہ وہ اپنا تحفظ کریں اور میدان کا کونا خالی کر دیں۔''

ناصر اور محلے والوں نے جگو دادا کی طرف سے جوابی کارروائی کا بہت انتظار کیا۔ جس دن کونسلر نے میدان کے لیے سرکاری فنڈ منظور کرایا اس دن محلے میں خوشی کا سماں تھا۔ کمیٹی کے صدر نے ایک چھوٹے سے جلسے کا اہتمام کیا۔ محلے کے کئی بڑوں نے تقریریں کیں اور نوجوانوں کو اپنی امیدوں کا مرکز قرار دیا۔

ناصر کو نوجوانوں کی طرف سے کچھ کہنے کا موقع ملا تو وہ بڑے اعتماد سے بولا: ''ہم موت سے ڈرتے ہیں اور اس خوف سے لوگوں کی ناجائز باتیں ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں جب کہ موت کا وقت مقرر ہے اور ہمارا مذہب اخلاقی جرأت کا حکم دیتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بُرائی کو قبول نہ کریں۔ اس کو روکنے اور ختم کرنے کے لیے مہذب انداز میں مزاحمت کریں اور اس لڑائی میں سب ایک دوسرے کے ساتھ دیں۔ ہمیں ضمیر کا قیدی نہیں بننا چاہیے۔ بہادر انسان فضل حاجی بن کر جینا چاہیے۔''

سب لوگ ناصر کی تقریر پر تالیاں بجا رہے تھے۔ شیر خان بھی تالیاں بجا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر فخر کے تاثرات اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

☆☆

راشد علی نواب شاہی

# پیارے اللہ کے پیارے نام

## اَللَّطِیۡفُ جَلَّ جَلَالُہٗ (باریک بین)

اَللَّطِیۡفُ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے ساتھ ایسی مہربانیاں کرتا ہے جس کو وہ بندے خود بھی نہیں جانتے۔

یہ اسم مبارک قرآن شریف میں 7 مرتبہ آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب پر مہربان ہیں۔ اس کی مہربانی دیکھیے کہ بھینس گھاس کھاتی ہے۔ گھاس میں تو دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے، مگر وہ مہربان ہمارے لیے گھاس سے دودھ عطا فرماتا ہے۔

بھینس کے ایک طرف گوبر ہے اور دوسری طرف خون، ان دونوں کے درمیان شفاف دودھ عطا فرمایا۔ مجال ہے کہ گوبر، پیشاب وخون کا ایک بھی قطرہ پوشیدہ ہو کر دودھ میں مل جائے۔

## وہ ایک لقمہ

”اللہ کے نام پر دے دو بابا! بھوکا ہوں۔“

بھکاری نے ہوٹل سے نکلنے والے شخص سے مانگا۔

”ابو! اسے کھانا دلا دیں۔“ عمران کے بیٹے نے کہا۔

عمران نے فوراً اس بھکاری کو تین روٹیاں اور سالن دلوا دیا۔

وہ بھکاری کھانا لے کر ان کو دعائیں دیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

عمران صاحب جب بھی ہوٹل سے نکلتے تو ضرور کسی فقیر کو کھانا دلوا دیتے۔ آج بھی حسبِ عادت انہوں نے ایسا ہی کیا تھا۔ وہ بھکاری روٹی سالن تھامے ایک فٹ پاتھ کے کونے پر جا بیٹھا اور کھانا نکال کر کھانے لگا۔ آدھی روٹی جو بچ گئی تھی، اس نے وہ بڑی احتیاط سے تھیلی میں رکھی۔ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ذرّے بھی اچھی طرح صاف کیے۔ روٹی کے آدھے ٹکڑے کو وہ بڑے غور سے دیکھنے لگا۔

اس ٹکڑے کو دیکھتے دیکھتے وہ ماضی کی سوچوں میں گم ہو گیا۔

”ارے کرم بیٹا! روٹی کا ادب کیا کر۔ جو ادب نہ کرے، وہ محروم ہو جاوے۔“

آج کرم دین کی بوڑھی ماں نے اسے پھر سمجھایا۔ روٹی کے ٹکڑے کو ڈبے میں بے ادبی سے نہ پھینکا کرو، لیکن وہ ہر مرتبہ ماں کی بات نظر انداز کر جاتا۔

"کماں! یہ بچی ہے۔" "یہ لے اور روٹی لے لے۔" اور پھر کرم دین نے حسبِ عادت وہ بچی روٹی ٹکڑوں کے ڈبے میں بے دردی سے پھینک دی۔ ماں بے چاری پھر کہتی کہتی رہ گئی۔

"بیٹا یہ رزق ہے اور رزق کو پھینکتے نہیں ہیں۔ یہ ایک لقمہ معلوم ہے کتنی مشقت سے ہم تک پہنچا ہے۔ کسی نے زمین پر ہل چلایا تو کسی نے بیج بویا، کسی نے اس فصل کو پانی دیا تو کسی نے اسے کاٹا، کسی نے غلہ نکالا، کوئی اسے گاؤں سے شہر تک لایا، کسی نے اسے پیسا، کسی نے گوندھا، کسی نے پکایا اور پھر کھانے کے لیے عجب قسم کے دانت لگائے، ڈاڑھیں اس لقمے کو پیستی ہیں، دانتوں کی کچلیاں چیزوں کو توڑتی ہیں، سامنے کے دانت کاٹتے ہیں اور زبان اس لقمے کو دانتوں کی چکی میں ڈالتی ہے۔ سینکڑوں مخلوق کام کرتی ہیں، تب ایک لقمہ ہمیں نصیب ہوتا ہے۔"

ماں نے کرم کو سمجھاتے ہوئے کہا، مگر وہ ہر مرتبہ سنی اَن سنی کر دیتا۔

ٹریفک کے شور نے اس بھکاری کے خیالات کو توڑا۔ ماضی کا کرم دین آج ایک بھکاری کی صورت میں فٹ پاتھ پر بیٹھا تھا۔ برسوں اس نے روٹی کی ناقدری اور توہین کی تو وہ ایک ایک لقمے کا محتاج بن چکا تھا۔ ماضی کو یاد کر کے وہ سسکیاں لے کر بلک بلک کر رونے لگا۔

"کاش! میں روٹی کی ناقدری نہ کرتا۔" ایک لقمہ جو انسان کے لیے پکا پکایا پہنچتا ہے، اگر وہ اس کی قدر کرتا تو آج ایک ایک روٹی کے لیے ترسنا نہ پڑتا۔

"بیٹا! یہ رزق ہے، رزق کو پھینکتے نہیں ہیں۔"

"اے بیٹا! روٹی کا ادب کیا کر، جو ادب نہ کرے وہ محروم ہو جاوے۔"

اس کی ماں کے الفاظ اس کے کانوں سے ٹکرانے لگے۔

بچو! آپ بھی یہ جملے اچھی طرح ذہن نشین کر کے عمل کرنے والے بن جائیں۔

## امتحان کے موقع پر یہ دعا مانگیں

جب امتحان کا موقع آئے یا کوئی مضمون مشکل لگے تو امتحان کی تیاری سے پہلے اور کوئی مشکل کام کرنے سے پہلے یہ دعا مانگ لیا کریں تو آپ کے کاموں میں آسانی ہو جائے گی۔

اَللّٰهُمَّ الْطُفْ بِیْ فِیْ تَیْسِیْرِ کُلِّ عَسِیْرٍ فَاِنَّ تَیْسِیْرَ کُلِّ عَسِیْرٍ عَلَیْکَ یَسِیْرٌ وَاَسْئَلُکَ الْیُسْرَ وَالْمُعَافَاةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ.

ترجمہ: "اے اللہ! ہر مشکل کو آسان فرمانے میں مجھ پر مہربانی فرما۔ بے شک ہر مشکل کام کو آسان کرنا آپ کے لیے بالکل آسان ہے اور میں آپ سے آسانی اور سہولت کا سوال کرتا ہوں۔ اور دنیا و آخرت میں عافیت اور صحت کا سوال کرتا ہوں۔"

## یاد رکھنے کی باتیں

1۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ "لطیف" کے معنی ہیں مہربان، لہٰذا اس نام مبارک سے ہمیں یہ سبق ملا کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے مہربانی اور نرمی کا سلوک کرنا چاہیے۔

2۔ ہر انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کو یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ، بندوں پر کس قدر مہربان ہے۔ وہ اپنے بندوں کی ضروریات کا کتنا خیال رکھتے ہیں، لہٰذا ہمیں بھی اس کی نعمتوں کی قدر کرنی چاہیے۔

## اَلْقَابِضُ جَلَّ جَلَالُهٗ (تنگی کرنے والا)

اللہ تعالیٰ ہی تنگی کرنے والے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ رزق میں تنگی فرما دیں تو کوئی طاقت اس میں اضافہ نہیں کر سکتی۔

کسی کو تھوڑی روزی دینا اور کسی کو بہت زیادہ دینا، سب اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ چاہے بادشاہ کو فقیر کر دے اور فقیر کو بادشاہ بنا دے۔ طاقت ور کو کمزور کر دے اور کمزور کو طاقت ور بنا دے۔ صحت مند کو بیمار کر دے اور بیمار کو صحت مند بنا دے۔ سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔

☆☆☆

# دوسری زندگی

محمد فاروق دانش

دوپہر کا وقت، اور سخت گرمی کے دن..... اور وہ اس سڑک پر دوڑ رہا تھا۔ اُسے خود اندازہ نہیں تھا کہ وہ کب سے بھاگ رہا ہے اور وہ کتنا بھاگ چکا ہے؟ وہ تو گھر سے نکل کر اپنے دوست سے کام کی کاپی لینے جا رہا تھا کہ اچانک دو لمبے تڑنگے افراد نے اس کا راستہ روک لیا۔ سڑک اس قدر سنسان تھی کہ اسے دائیں بائیں، آگے پیچھے کوئی بھی اپنی مدد کے لیے دکھائی نہ دیا۔ وہ ایک لمحے کو سوچتا رہا کہ کیا کیا جائے؟ وہ ہاتھ پھیلائے اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔ انہوں نے دونوں اطراف سے اس کی طرف بڑھنا شروع کیا تھا۔ وہ اس کے اتنا قریب ہو چکے تھے کہ اسے دبوچ لیتے۔ اس کے ذہن میں اچانک ایک ترکیب آ گئی۔ اُن کے قریب آتے ہی وہ ایک دم نیچے بیٹھ گیا۔ جیسے ہی انہوں نے جھک کر اسے دبوچنے کے لیے ہاتھ مارنے کی کوشش کی، ان کے سر آپس میں ٹکرا گئے اور وہ درمیان سے نکل بھاگا۔

اُس کا رُخ سامنے والی سڑک کی جانب تھا۔ وہ دونوں اُٹھے اور سیدھے ہوتے ہی اس کی طرف دوڑ پڑے۔ اس نے جب انہیں اپنی جانب آتا دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ زیادہ تیز دوڑنے لگا۔ وہ کسی طور پر اُن کے ہاتھ نہیں آنا چاہتا تھا۔ وہ کون سا اُسے چھوڑنے کا مشن لے کر آئے تھے۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا، اس لیے یہ حماقت اس سے ہوئی کہ اس نے بازار کی جانب رخ کرنے کی بجائے شہر سے باہر جانے والی سڑک کا رخ کر لیا تھا۔ اب تک وہ ان کے ہاتھ نہ آ سکا تھا، وہ اس کا پیچھا چھوڑنے کو قطعی تیار نہ تھے۔ اب کی بار جو اس کے دماغ میں آئی تو اس نے مرکزی سڑک چھوڑ کر درمیان سے گزرنے والے جنگل کا رخ کر لیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ جنگل سے واقف ہے اس لیے ان دونوں کو ڈاج دے کر کسی نہ کسی رخ سے فرار ہو جائے گا اور وہ دونوں ہاتھ ملتے رہ جائیں گے لیکن وہ دونوں تو بڑے کائیاں تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے ان لوگوں نے اس کے ساتھ کوئی ٹرانسمیٹر نصب کر رکھا ہو، اس لیے وہ جدھر کا رخ کرتا، وہ اس کے پیچھے ہوتے۔

وہ جس قدر بھاگنے کی ہمت رکھتا تھا، بھاگا، پھر موقع پا کر ایک کھوہ میں چھپ گیا۔ اب یہ اس کی قسمت تھی کہ اسے ایک ایسی کھوہ مل گئی تھی جس میں وہ آسانی سے داخل ہو گیا اور اس نے اپنی ٹانگیں بھی اندر لمبی کر لیں۔

اس نے دیکھا کہ وہ دونوں اس کھوہ کی طرف آئے اور اس کو

اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگے۔ وہ اس طرف نظر نہیں آیا تو وہ دوسری جانب نکل گئے۔ وہ اندر سے جھانک رہا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ اسے آس پاس ہی تلاش کر رہے ہیں، اس لیے ابھی باہر نکلنا کسی طور مناسب نہیں تھا۔

ایک بار وہ پھر اسی حصہ میں آئے اور اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگے۔ وہ خوش تھا کہ وہ اسے تلاش نہیں کر پائے۔ وہ پہاڑی کے اس حصہ کی جانب آئے جہاں وہ چھپا بیٹھا تھا۔ اس نے ان سے چھپنے کی خاطر اپنا سر اور اندر کر لیا۔ اسے پتا نہیں چل سکا کہ وہ کس وجہ سے جھکے ہیں۔

جب ان دونوں نے کمر سیدھی کی تو ان کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پتھر تھا، وہ ان کی اس حماقت کے بارے میں سوچ بھی نہ پایا تھا کہ وہ اس پتھر کا کیا کریں گے۔ اچانک اس کے سامنے کی روشنی بالکل چھٹ گئی اور گھپ اندھیرا چھا گیا۔

اب اس کی سمجھ میں آگیا کہ ان دونوں نے وہ پتھر اسی کھوہ کو بند کرنے کے لیے اٹھایا تھا۔ اس نے چیخنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ شاید اس کی کسی بات کو خاطر میں نہیں لانا چاہتے تھے۔

جب انہوں نے تسلی کر لی کہ کھوہ کو انہوں نے مضبوطی سے ڈھک دیا ہے اور وہ اب اسے اپنی جگہ سے سرکا بھی نہیں سکے گا تو وہ اطمینان سے ہاتھ جھاڑتے اپنی راہ کو چل دیے۔ اس نے لاکھ لاکھ جتن کر ڈالے لیکن وہ اس پتھر کو نہ سرکا سکا۔ وہ بہت چیخا، چلایا لیکن اس جنگل میں اس کی فریاد کو سننے والا کوئی بھی نہ تھا۔ بہت دیر کوششوں کے بعد وہ تھک ہار کر لیٹ گیا۔

کچھ دیر بعد تکلیف سے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ کیڑے نے جس جگہ کاٹا تھا، وہ سوج کر کپا ہو رہی تھی، درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ وہ اس کرب کی کیفیت میں اپنے زخم کو سہلا بھی نہیں پا رہا تھا۔ یہ آج کیسا وقت اس پر آن پڑا تھا؟

اس کی آنکھوں میں وہ منظر گھومنے لگا جب کرکٹ کھیلتے ہوئے ایک ہلکی سی پھانس اس کو چبھ گئی تھی تو کس طرح اس نے بیٹ اٹھا کر کھڑکی پر دے مارا تھا۔ معمولی سی تکلیف پر ایک ہزار روپے کا شیشہ اس نے توڑ دیا تھا۔ اس نے دیکھا تھا کہ کس طرح اس کی ماں نے اس کی شیشہ توڑنے کی حرکت کو معاف کرتے ہوئے اس کی انگلی کا معائنہ شروع کر دیا تھا اور اُسے تب تک سہلاتی رہی، جب تک اس نے خود سے نہ کہہ دیا تھا کہ اب میں ٹھیک ہوں۔ پھر اس جگہ اپنے ہاتھ سے مرہم لگانے کے بعد اس کی ماں اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی رہی اور پھر اُسے نیند نے آگھیرا تھا۔

''امی...... وہ شیشہ......'' نیند سے قبل اس نے اپنی غلطی کا معمولی سا اظہار کرنے کی کوشش کی تھی۔

''چل پگلے! تو نے کون سا جان کے توڑا تھا۔''

ماں کے ان جذبات نے اسے مسحور کن نیند کی دُنیا میں پہنچا دیا تھا۔ اسے اب کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی ماں اس کے ساتھ ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ ماں کی شفقت ہی کی وجہ سے تو اس کے والد اسے بہت کچھ کہنا چاہتے ہوئے بھی نہ کہہ پاتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ جیسے ہی اسے کچھ کہنے لگیں گے تو ماں انہیں آڑے ہاتھوں لیں گی۔

''نفیسہ بیگم! تم نشاط کے ساتھ اچھا نہیں کر رہیں۔'' وہ اکثر اپنی بیگم کے نامناسب رویے کی شکایت ان سے کرتے لیکن وہ انہیں اسے بچے کی نادانی سے تعبیر کر کے مطمئن کر دیتیں اور وہ یہ سوچ کر رہ جاتے کہ یہ نادان عورت اس بات سے بے خبر ہے کہ وہ آنے والے دنوں میں اس کی بڑھتی ہوئی جابرانہ کیفیت کے باعث پچھتانا پڑے گا۔

رات ہوئی تو تاریکی پھیل گئی۔ ہاتھ کو ہاتھ بجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ انجانے میں اپنی قبر خود کھود کر زندہ ہی دفن ہو چکا تھا۔ وہ ویسے نمازوں اور دینی معاملات سے بہت دُور بھاگتا تھا لیکن آج دن بھر وہ سینکڑوں بار اپنے اللہ کو یاد کر چکا تھا۔ اس نے گڑگڑا کر بہت دعائیں کی تھیں لیکن انہیں اب تک قبولیت حاصل نہیں ہوئی تھی۔

''مجھے معاف کر دو ماں!'' اچانک ہی اسے اپنی ماں کا چہرہ اس اندھیری قبر میں نور کی صورت میں نظر آ گیا۔ ''میں نے تمہیں بہت ستایا ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی تمہیں کسی طور بھی نہیں ستاؤں گا۔''

اسے اپنے کیے گئے ہر ستم اپنی آنکھوں کے سامنے دکھائی دے

رہے تھے۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ مجرم ہے، اس نے گناہ کیا ہے، اس کی ماں تو ویسے اسے کچھ نہیں کہتی لیکن اندرونی طور پر اس نے اس کا بہت دل دکھایا تھا۔ اب وہ اس کی تلافی چاہتا تھا، لیکن...... پاس نہ سر اٹھانے کو جگہ تھی اور نہ ہی سرکنے کو۔ نہ وہ اس کھوہ میں بیٹھ سکتا تھا اور نہ ہی کھانے پینے کی کوئی چیز اسے میسر آ سکتی تھی۔

یہ تو بھلا ہو ان لفنگوں کا کہ پتھر کچھ اس انداز سے لگا کر گئے تھے کہ تھوڑی سی جھری رہ گئی تھی اور اُس میں سے روشنی اور ہوا آ رہی تھی ورنہ تو اسے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے جیتے جی خود ہی اپنے لیے کسی قبر کا انتخاب کر لیا ہو، اور وہ دو افراد آ کر اسے دفنا گئے ہوں۔

اب صورت حال ایسی نہیں تھی کہ وہ کسی طور یہاں سے نکل سکتا۔ اوّل تو اس علاقے سے لوگوں کا گزر کم تھا اور اگر کوئی گزرتا بھی تھا تو دائیں بائیں درختوں اور جھاڑیوں سے پُر علاقے کے بہ جائے درمیانی پگ ڈنڈی کا سہارا لیتا تھا۔ یوں تو یہاں جنگلی جانور نہیں تھے، پھر بھی چھوٹے موٹے جانوروں کا خوف دامن گیر رہتا تھا، اس لیے لوگوں کا انداز محتاط ہی ہوتا تھا۔ پھر اس کی مدد کے لیے کوئی کیوں کر آ سکتا تھا؟

روتے روتے پریشان حال اس کی آنکھ لگ گئی تو کھوہ میں موجود کسی کیڑے نے اس کے پاؤں پر کاٹ لیا۔ اس کی چیخ نکل گئی۔ اس نے اس طرف تو کوئی دھیان ہی نہیں دیا تھا، لیکن وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ اس نے گھٹنا موڑ کر پاؤں دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس میں کام یابی نہ ہو سکی، اس لیے کہ اس کی کھوہ کی اونچائی اتنی نہ تھی کہ اس میں وہ پاؤں بھی اوپر نیچے کر سکتا۔ اپنی بدقسمتی پر اسے رونا آ گیا۔ وہ تو اپنے گھر میں نہایت مزے اور اطمینان سے رہ رہا تھا۔ اسے تو اپنا الگ کمرا، بستر، ٹی وی اور نہ جانے کیا کچھ ملا ہوا تھا۔ اس کے تو ناز ونخرے ہی الگ تھے۔ وہ ماں باپ کے بے جا لاڈ پیار سے بے حد گھمنڈی اور سر پھرا ہو چکا تھا۔ اسے کسی کی اچھی بات بھی اچھی نہیں لگتی تھی۔ نصیحت تو اس کے سر سے گزر جاتی تھی۔ کسی کا ٹوکنا یا اس معاملات میں دخل دینا اسے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ ماں کا تو وہ اتنا لاڈلا تھا کہ وہ اس کی کسی بات کو ٹالتی ہی نہ تھیں۔ اس کے منہ سے کسی بات کا نکلنا اور ماں کا اسے ہر حال میں پورا کرنا لازم تھا، پھر وہ سر پھرا کیسے نہ ہوتا؟

یہ الگ بات تھی کہ وہ اپنے ماں باپ کا کہا ماننا اپنی توہین سمجھتا تھا۔ ماں کا اور اس کا ساتھ رات دن کا تھا، وہ لاکھ چیخیں کہ یہ کر دو، وہ لا دو لیکن وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دینے کا عادی تھا۔ وہ ہر کام کے جواب میں بے پروائی سے کہہ دیتا تھا کہ فلاں بھائی یا فلاں بہن کو بھیج دو، میں مصروف ہوں۔

اس کی مصروفیت کیا تھی کہ وہ کبھی گھر کے اندر گیند اچھالتا، کبھی چوزے لا کر کمرے میں پال لیتا، کبھی دکان سے پتنگیں خرید کر چھت پر اس کا ڈھیر لگا لیتا۔ کبھی گولیاں کھیلنے لگتا۔ پڑھائی، لکھائی سے زیادہ اس کا ذہن کھیل میں لگتا تھا۔ بھائی بہنوں کو مارنا، انہیں تنگ کرنا اس کا دل پسند مشغلہ تھا۔ اپنی والدہ کو وہ سب سے زیادہ تنگ کرتا تھا۔ اس کے باوجود وہ بڑے صبر کا مظاہرہ کرتی تھیں۔

شاید...... اب اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔

"کاش! مجھے ایک بار پھر زندگی مل جائے تو میں اپنی ماں کو حد سے زیادہ خوش رکھوں گا۔ ان کا کہنا مانوں گا، ان کی ہر خواہش پوری کروں گا۔ کھیلنا کودنا چھوڑ کر صرف اور صرف پڑھائی پر دھیان دوں گا۔ اے کاش! کہ مجھے دوسری زندگی مل جائے۔"

وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی پکار سننے والا یہاں کوئی نہیں ہے، پھر بھی وہ ایک بار اس سناٹے میں گلا پھاڑ کر چلایا۔ پھر جانے اسے کب نیند آ گئی۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تین چار افراد مل کر اس پتھر کو ہٹا رہے ہیں اور واقعی وہ کوئی خواب نہیں تھا۔ چار افراد نے مل کر کھوہ سے وہ پتھر ہٹا دیا اور پھر مل کر اسے باہر نکال لیا۔

وہ خوش ہونے سے زیادہ حیران تھا کہ یہ افراد کیسے اس کی مدد کو یہاں تک پہنچ گئے۔ اس نے جب سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا تو ان میں سے ایک خود ہی بول پڑا۔

"تم جہاں پڑے ہو، وہاں تو کسی کا دھیان بھی نہیں جا سکتا تھا۔"

"یہ شکر کرو کہ جانے تمہاری ماں کو کیسے خواب میں یہ دکھ گیا کہ تم جنگل کے کسی کھڈے میں بند ہو۔" دوسرا سنجیدگی سے بولا۔

"تمہارے ابو تو دوسرے شہر کے دورے پر ہیں، تمہاری والدہ نے ہمیں تمہاری تلاش میں روانہ کیا۔ ہم اس بات کو ماننے کے لیے تیار تو نہ تھے لیکن تمہاری ماں نے ہمیں دس ہزار روپے دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ ہم یہاں کی ہر کھوہ کو چیک کریں، چاہے کتنا ہی وقت کیوں نہ لگ جائے اور پھر ہماری یہ مہم کامیاب ہو ہی گئی۔"

وہ کہہ رہا تھا۔

"ماں کتنی عظیم ہوتی ہے۔" اس نے سوچا۔ وہ اچانک گہری نیند سے جاگ چکا تھا۔ "ماں کا جسم تو کہیں اور ہے لیکن اس کی روح میرے ساتھ ساتھ ہے جب ہی تو اسے میرے بارے میں سب کچھ پتا چل گیا۔" اس کی آنکھوں میں سنجیدہ سوچ تھی۔

وہ اسے گھر کی طرف لے جا رہے تھے۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ ایک بار مر کر پھر اس دنیا میں آ گیا ہے۔ اسے یہ موقع اس لیے دیا گیا کہ اس نے جس انداز سے ماں کو تنگ کر کے صرف اور صرف اپنی ضدیں منوانے کی جو کوشش کی تھی، اب اس سے باز رہ کر صرف ماں کی شخصیت کو اہمیت دے۔ اس کا احترام کرے اور اس کی خدمت کر کے اپنی منزل اور جنت پا لے۔

"میں اب کبھی ماں کو نہیں ستاؤں گا۔ ماں! میری یہ زندگی اب تیری ہی مرہونِ منت ہے۔ اب بھی اگر میں نے اپنے آپ کو نہ بدلا تو میرا اللہ مجھے کبھی بھی معاف نہیں کرے گا۔"

یہ سوچتے ہی اس کے دل و دماغ میں ایک نئی ترنگ جاگ گئی۔ اسے اپنے عزم پورے کرنے کا حوصلہ مل چکا تھا۔ ☆☆

☆☆☆

## بابا عبدالسلام مرحوم و مغفور

انسانیت کا مان وہ عبدالسلام تھے<br>
علم و ادب کی جان وہ عبدالسلام تھے<br>
"تعلیم و تربیت" ہو کہ ہو وہ "فیروز سنز"<br>
دونوں ہی کی پہچان وہ عبدالسلام تھے<br>
تھے حق شناس، دین پہ بھی جان سے فدا<br>
اقدار کی بھی شان وہ عبدالسلام تھے<br>
علمی ریاضتوں میں سدا عمر کی بسر<br>
محنت کے قدر دان وہ عبدالسلام تھے<br>
اس پاک سرزمین کے تھے نام ور سپوت<br>
ہم درد و مہربان وہ عبدالسلام تھے<br>
رکھیو خدایا ان کو جوارِ جناں میں تُو<br>
تھے نیک جوہر آن وہ عبدالسلام تھے<br>
تیرے کرم پہ فضل پہ کامل یقین تھا<br>
جنت ہی کا ایقان وہ عبدالسلام تھے

(سید ذوالفقار حسین نقوی)

# آئیے عہد کریں!

اسامہ کو جانور اور پرندے پالنے کا بہت شوق تھا۔ جانور تو اس نے پال لیے لیکن ان کے کھانے پینے کا خیال نہیں رکھتا تھا۔ وہ فطری طور پر لاپرواہ تھا۔ اس کی امی جان اسے کئی بار سمجھا چکی تھیں کہ جانوروں کی بھوک پیاس کا خیال رکھو یا انہیں آزاد کر دو لیکن اسامہ اس پر بھی تیار نہ تھا۔ گھر میں جانور بھوک اور پیاس کی وجہ سے ہر وقت چلاتے اور بے چینی سے اِدھر اُدھر پھرتے رہتے تھے۔ آج تو حد ہی ہو گئی۔ ایک بلی بھوک کے مارے بے جان پڑی تھی۔ اس کی امی کو بہت دکھ ہوا۔ انہوں نے اسامہ کو بلا کر بلی دکھائی تو اسامہ بھی بے چین ہو گیا۔

''بیٹا یہ سب تمہاری لاپروائی کی وجہ سے ہوا ہے۔ تم نے ان بے زبان جانوروں کو پال تو لیا لیکن ان کی بھوک اور پیاس کا خیال نہیں رکھا۔''

بخاری و مسلم شریف میں ہمارے پیارے نبیؐ کا ارشاد ہے:

''ہر اس جانور جس کو بھوک پیاس کی تکلیف ہوتی ہو، اس کو کھلانے پلانے میں ثواب ہے۔''

اسامہ کو امی جان کی بات سن کر بے حد دکھ اور ندامت کا احساس ہوا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ جانوروں کا حق ادا کرے گا اور ان کی بھوک اور پیاس کا خیال رکھے گا۔

پیارے بچو! آپ نے بھی گھر میں جانور پال رکھے ہوں گے۔ کہیں آپ تو ایسا نہیں کرتے؟ تو عہد کریں کہ آپ بھی جانوروں کی بھوک اور پیاس کا خیال رکھیں گے۔

**شاباش** ان بچوں نے عہد کیا ہے کہ وہ ہمیشہ دوسروں کے لیے بھی وہی چیز پسند کریں گے جو چیز وہ اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔

محمد مجیر خان، بھکر۔ اقدس اکرام، فتح جنگ۔ محمد فرقان علی، خان پور۔ محمد سمیع اللہ، لیتی۔ آمنہ ضحیٰ چیمہ، گوجرانوالہ۔ نور فاطمہ، اسلام آباد۔ مریم انصاری، حیدر آباد۔ صفی الرحمن، مطیع الرحمن، لاہور۔ خرم سیفی، چکوال۔ فیصل فضل کریم، مومن پورہ۔ مہلب نایاب شہباز، گوجرانوالہ۔ حبہ وسیم، گوجرانوالہ۔ حمیرا ذوالفقار، سرگودھا۔ عمر عطا قادری، اسد عبداللہ قادری، کاموکی۔ قمر سلیم، کراچی۔ محمد احمد رضا انصاری، کوٹ ادو۔ شایان رضا، لاہور۔ محمد ریان طیب، راول پنڈی۔ لیاقت علی، محمد سمیع، کراچی۔ حمزہ مقصود، لاہور۔ علیان جمیل۔ محمد حذیفہ مقصود، اسلام آباد۔ سید اشہد بخاری، عبداللہ شاہ، دریا خان۔ مدینہ نور، کوٹری۔ مریم انصاری، حیدر آباد۔ زارا وہاب، اسلام آباد۔ علینہ احمد، راول پنڈی۔ امامہ ایمن، چچل کلاں۔ عروب ملک، لاہور۔ نمرہ ظہور، ردہ فاطمہ، ستیانہ بنگلہ۔ رباب افتخار، فیصل آباد۔ ایمل، گجرات۔ نمرہ لاریب، کوہاٹ۔ فاطمۃ الزہرہ، لاہور۔ نگس عائشہ، ملتان۔ محمد گوہر مصطفیٰ، صادق آباد۔ بنت شیخ محمد عاطف، اوکاڑہ۔ اعصام حیدر، راول پنڈی۔ احسن، کراچی۔ زینب ناصر، فیصل آباد۔ ایمان فاطمہ، راول پنڈی۔

☆☆☆

| ح | د | پ | س | ض | م | ک | ظ | ا | ء |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ی | ط | ی | ب | ا | ل | غ | ل | ر | ے |
| ن | ق | س | ف | ی | د | ا | ث | ہ | ف |
| م | ع | ز | چ | ن | ش | م | ی | خ | ض |
| ا | ی | ن | ا | و | غ | ر | ا | غ | پ |
| ج | س | و | ڈ | ہ | ت | ف | ہ | ڑ | ی |
| غ | ر | پ | ص | ق | ذ | س | د | س | ل |
| ک | م | ن | ی | ل | ا | ی | ا | ب | ا |
| ش | ء | ژ | ج | ذ | گ | ا | ی | ز | خ |
| ص | ی | ط | ف | ن | ب | ہ | ص | و | ٹ |

آپ نے حروف ملا کر دس رنگوں کے نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان ناموں کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن ناموں کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں۔

سفید، ہرا، ارغوانی، سیاہ، جامنی، نیلا، پیلا، سرمئی، گلابی، سبز

انعامی سلسلہ

# سوال یہ ہے کہ.....!

۱۔ تاریخی ناول سفید جزیرہ کس نے لکھا؟
۲۔ روٹری پریس کس نے ایجاد کی؟
۳۔ اللطیف کا کیا مطلب ہے؟
۴۔ حبیب بینک پلازہ کی بلندی کتنی ہے؟
۵۔ چیونگ گم (Chewing Gum) کیسے بنتے ہیں؟
۶۔ سیرالیون کی کرنسی کا کیا نام ہے؟

درج بالا سوالوں کے جوابات اپریل 2014ء کے شمارے میں موجود ہیں۔ آپ رسالہ غور سے پڑھیے اور اپنے جوابات لکھ بھیجیے۔ درست جواب دینے والے تین خوش نصیبوں کو 300 روپے کی انعامی کتب دی جائیں گی۔ تین سے زیادہ درست حل آنے کی صورت میں بہ ذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جائیں گے۔

مارچ 2014ء میں بہ ذریعہ قرعہ اندازی انعام یافتگان کے نام:

1- زویا احمد، گوجرانوالہ
2- آمنہ بی بی، راولپنڈی
3- رقیہ عبدالرحمٰن، لاہور

**کھوج لگائیے**

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 اپریل 2014ء ہے۔

نام: ____
شہر: ____
مکمل پتا: ____
موبائل نمبر: ____

**آئیے عہد کریں**

کوپن ارسال کرنے کی آخری تاریخ 10 اپریل 2014ء ہے۔

نام ____ مقام ____
میں عہد کرتا/کرتی ہوں کہ ____
موبائل نمبر: ____

**سوال یہ ہے کہ.....!**

کوپن ارسال کرنے کی آخری تاریخ 10 اپریل 2014ء ہے۔

نام ____ عمر ____
مکمل پتا: ____
موبائل نمبر: ____

**دماغ لڑاؤ**

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 اپریل 2014ء ہے۔

نام: ____
مقام: ____
مکمل پتا: ____
موبائل نمبر: ____

**ہونہار مصور**

اپریل کا موضوع موسم بہار ارسال کرنے کی آخری تاریخ 08 اپریل 2014ء ہے۔

نام ____ عمر ____
مکمل پتا: ____
موبائل نمبر: ____

**میری زندگی کے مقاصد**

کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ____ شہر ____
مقاصد ____
موبائل نمبر: ____

اوجھل خاکے
یہ چیزیں خاکے میں چھپی ہوئی ہیں۔ آپ ان چیزوں کو تلاش کیجیے اور شاباش لیجیے۔

# میرے بابا جان

"پھر اتنے ڈھیر سارے کھلونے لے آئے آپ دونوں۔"

فاطمہ نے اپنے شوہر ثاقب اور اپنے پانچ سالہ بیٹے عادل کو شاپنگ بیگز اٹھائے اندر آتے دیکھ کر کہا۔ وہ دونوں ابھی ابھی شاپنگ کر کے لوٹے تھے۔

عادل خوشی خوشی اپنی ماما اور پاس ہی بیٹھے اپنے دادا جہانگیر علی کو کھلونے دکھانے لگا جو ٹی وی پہ ٹاک شو دیکھنے میں مگن تھے۔ عادل کے پکارنے پر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"پہلے ہی عادل کے پاس ان سب چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔" فاطمہ نے ساری شاپنگ دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں! میرا بیٹا کسی چیز پر ہاتھ رکھے اور میں اسے لے کر نہ دوں۔ یہ تو ممکن ہو ہی نہیں سکتا۔"

ثاقب نے سکون سے اپنے باپ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ اسراف ہے۔ فضول خرچی ہے اور....." فاطمہ کہنے لگی تو ثاقب نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"پلیز بحث مت کرو۔ میں پہلے ہی بہت تھک گیا ہوں، ایک کپ چائے بنا دو۔" ثاقب نے کہا تو فاطمہ گہری سانس لے کر اٹھ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ عادل کے معاملے میں اس کا رویہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہے۔

ثاقب اپنے باپ جہانگیر علی کے ساتھ باتوں میں مگن ہو گیا۔

عادل نئے کھلونوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس کے پاپا سب سے اچھے ہیں۔ اس کی ہر بات مانتے ہیں۔

"ویسے بیٹا! میرے خیال سے فاطمہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ہر چیز اعتدال میں ہی اچھی لگتی ہے۔" جہانگیر علی نے عادل کو کھلونوں کے ساتھ مگن دیکھ کر ثاقب سے کہا۔

"بابا اب آپ بھی اپنی لاڈلی بہو کی سائیڈ لیں گے۔ بس بس! یہ میری اور میرے بیٹے کی خوشی ہے، مجھے اس سے آگے کچھ نہیں۔"

ثاقب نے محبت سے عادل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سوچ لو بیٹا! کبھی کبھی ایسی عادتیں بہت مشکل میں ڈال دیتی ہیں۔" جہانگیر علی نے مسکراتے ہوئے ثاقب سے کہا۔

"وہ کیسے بابا؟" ثاقب نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"بہت سادہ سی بات ہے۔ جو باتیں شروع میں بہت چھوٹی اور معمولی لگتی ہیں، بعد میں اچھی یا بُری عادتوں میں تبدیل ہو کر ہماری شخصیت کو بگاڑتی یا سنوارتی بھی ہیں۔"

دادا جان نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

''ہوں...... مگر میرا نہیں خیال کہ میری محبت سے میرے بچے کی شخصیت میں کوئی خرابی پیدا ہوگی بلکہ یہ اسے بہت مضبوط اور مکمل بنائے گی۔'' ثاقب نے یقین سے کہا۔

''آمین...... جیسا تم سوچ رہے ہو، ویسا ہی ہو مگر......'' دادا جان نے کچھ کہنا چاہا مگر اسی وقت عادل نے باپ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ دادا جان نے دونوں کو خوش باش دیکھا اور مسکرا دیے۔

''اکثر تیز میٹھا بھی، کڑواہٹ کا باعث بن جاتا ہے۔''

دادا جان نے دل میں اپنا جملہ مکمل کیا اور دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا۔ جہانگیر علی (دادا جان) مزید بوڑھے ہو گئے اور ثاقب ادھیڑ عمری کی طرف گامزن تھا جب کہ عادل جوانی کے جوش اور ولولے سے بھرا، نئی نئی منزلوں کی جستجو میں لگا رہتا تھا۔

عادل نے میٹرک بہت شان دار نمبروں سے پاس کیا۔ اس خوشی میں ثاقب نے بہت بڑی پارٹی بھی ارینج کی تھی۔

ثاقب نے شہر کے مہنگے کالج سے داخلہ فارم منگوایا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ عادل انجینئرنگ کی فیلڈ میں جائے مگر جب عادل نے سنا تو اس نے صاف منع کر دیا۔

''پاپا...... میں کامرس کی فیلڈ میں جانا چاہتا ہوں، مجھے انجینئر نہیں بننا۔'' رات کا کھانا کھاتے وقت جب سب ٹیبل پہ جمع تھے تو عادل نے اپنے باپ سے کہا تو سب چونک گئے۔ ثاقب نے ناگواری کی شدید لہر اپنے اندر اٹھتے ہوئے محسوس کی۔

''مگر میں نے شروع سے ہی تمہارے لیے یہ سوچ رکھا تھا کہ تم انجینئر بنو گے۔'' ثاقب نے سختی سے کہا۔

''پاپا! یہ میری لائف ہے۔ جب مجھے انجینئرنگ پسند ہی نہیں تو میں کیوں پڑھوں؟ اب دادا جان ٹیچر تھے مگر آپ نے بزنس میں نام کمایا۔ اس لیے کہ آپ کا انٹرسٹ اس میں تھا۔ اسی طرح یہ میرے ساتھ بھی ہے۔''

عادل نے لاپرواہی سے کہا تو ثاقب غصے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میں تمہارا باپ ہوں، تم میرے باپ نہیں ہو۔ دوبارہ مجھ سے اس طرح بات مت کرنا اور جو میں چاہوں گا وہ ہی تم پڑھو گے۔''

''ثاقب آرام سے...... بیٹھ کر بات کرو۔ یہ کیا طریقہ ہے؟''

دادا جان نے سنجیدگی سے کہا تو ثاقب دوبارہ کرسی پہ بیٹھ گیا۔

''پاپا! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ میرے ساتھ اس طرح کا سلوک کریں گے۔'' عادل نے حیرانی اور دکھ سے باپ کی طرف دیکھا اور کھانا ادھورا چھوڑ کر اُٹھ کر چلا گیا۔

''عادل...... رکو میری بات سنو۔'' فاطمہ نے پیچھے سے آوازیں دیں۔

عادل کے جاتے ہی ثاقب بھی غصے میں اُٹھ کر چلا گیا۔

''اب کیا ہوگا بابا جان؟'' فاطمہ نے گھبرا کر دادا جان کی طرف دیکھا۔

''تم پریشان مت ہو۔ وقتی غصہ ہے۔ دونوں ٹھیک ہو جائیں گے۔''

دادا جان نے فاطمہ کو تسلی دی۔ تو وہ سر ہلا کر رہ گئی مگر اس کشمکش اور کھینچا تانی میں ایک ہفتہ گزر گیا۔ دونوں باپ بیٹا اپنی اپنی بات پہ اڑے ہوئے تھے اور دونوں ہی سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

''ایسا کب تک چلے گا۔'' فاطمہ نے گھر کی بگڑتی صورت حال سے پریشان ہو کر بابا جان سے پوچھا تو وہ خاموشی سے سر ہلا کر رہ گئے۔ وہ خود کافی دنوں سے سوچ رہے تھے کہ اس مسئلے کو کیسے حل کیا جائے۔

''عادل! ادھر آؤ، میرے پاس بیٹھو۔'' عادل کہیں باہر سے آیا تو دادا جان، جو لان میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے، عادل کو آواز دیتے ہوئے کہا۔

عادل خاموشی سے ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ دادا جان نے خاموشی سے اس کا اداس چہرہ دیکھا۔

''جب تم اپنی ضد پر ڈٹے ہوئے ہو تو پھر اداس کیوں ہو رہے ہو؟'' دادا جان نے سوال کیا تو عادل نے نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

''ایک ہفتہ سے میری پاپا سے کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔ ایسا آج سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ میں پاپا کے بغیر کبھی نہیں رہا اس طرح اور اب......'' عادل نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

''اگر پاپا سے اتنی محبت ہے تو اپنی ضد چھوڑ دو تم اور ان کی بات مان لو۔'' دادا جان نے مسکراتے ہوئے آسان راستہ بتایا۔

"یہ میری ضد نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو پاپا نے ہمیشہ میری ہر بات مانی ہے، ہر ضد پوری کی ہے تو پھر اس بار کیوں نہیں۔" عادل نے الجھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ ہی اس کی غلطی تھی، خیر۔" دادا جان نے آہستہ سے سر ہلا کر کہا اور پھر عادل سے بولے۔

"تمہارے پاپا نے ہر بار تمہاری بات مانی ہے، تمہاری ہر ضد پوری کی ہے، پھر آج تم اپنے باپ کی ایک بات نہیں مان سکتے۔ بیٹا! رشتے اگر مضبوط بنانے ہوں تو ان کی بھی سننی پڑتی ہے، ماننی پڑتی ہے۔ تم چاہتے تو بہت پیار اور محبت سے اپنے باپ سے یہ بات بھی منوا سکتے تھے مگر تم نے ضد اور ناراضگی کا راستہ اپنایا جو رشتوں کو کمزور کر کے توڑتا ہے۔ تم اب خود سوچ لو کہ تمہارے لیے تمہاری ضد اہم ہے یا تمہارے پاپا......"

دادا جان نے عادل کو گم صم بیٹھے دیکھ کر کہا اور اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے اُٹھ کر اندر چل دیئے۔ اگلی صبح ثاقب اور دادا جان صبح کی واک کرنے قریبی پارک گئے۔ ثاقب بہت خاموش اور چپ چپ تھا۔ جب دادا جان تھک گئے تو ایک بنچ پہ بیٹھ گئے۔

"بس...... ان بوڑھی ہڈیوں میں اب اتنا دم نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ مزید چل سکے۔" دادا جان نے مسکراتے ہوئے، اپنے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بابا! آپ اس عمر میں بھی اتنے فٹ ہیں۔" ثاقب نے دادا جان کے پاس ہی بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے لگتا ہے کہ میں جلد بوڑھا ہونے لگا ہوں۔" ثاقب نے افسردگی سے کہا تو دادا جان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"بیٹا یہ تھکاوٹ جسمانی نہیں، ذہنی ہے۔ جن کے بیٹے جوان ہو جائیں، وہ بوڑھے نہیں ہوتے۔" دادا جان کی بات پہ ثاقب استہزائیہ ہنس پڑا۔

"بیٹا؟ جس پہ اتنا مان کیا، ہمیشہ اتنا پیار دیا۔ جس کا دن میرے بغیر نہیں گزرتا تھا اور آج ایک ہفتے سے بھی زیادہ ہو گیا ہے اسے مجھ سے بات کیے ہوئے۔" ثاقب نے افسردگی سے کہا۔

"تو تم کر لیتے بات۔ تم میں اتنی "انا" کہاں سے جاگ اُٹھی ہے۔ ویسے مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تم لوگ نئی جنریشن سے اتنی جلدی نا امید اور مایوس کیوں ہو جاتے ہو؟ ہم بھی تو تھے۔ ہم تو کبھی اپنی نئی نسل سے نا امید اور مایوس نہیں ہوئے تھے۔" دادا جان نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"بابا جان! وہ زمانہ اور تھا۔ ہم اور طرح کے بچے تھے۔ ہم نے کبھی آپ کی بات سے روگردانی نہیں کی تھی۔"

ثاقب نے کہا تو دادا جان مسکرا اٹھے۔ "ثاقب بیٹا! سچ سچ تم بوڑھے ہو رہے ہو۔ اگر تم اپنے دماغ پہ زور ڈال کر یاد کرو تو تم

نے سب کام وہ ہی کیے تھے جو مجھے پسند نہیں تھے مگر میں نے کبھی تم پہ اپنی پسند ناپسند نہیں تھوپی تھی۔

اگر میں بھی ایسا کرتا تو شاید تم وہ سب نہ کر پاتے جو تم کرنا چاہتے تھے۔ اس طرح تمہاری دریافت کا، جستجو کا سفر رک جاتا اور بیٹا! ہر ایک کا راستہ الگ ہوتا ہے۔ جستجو الگ ہوتی ہے، سفر مختلف ہوتا ہے۔''

''بابا! آج کا وقت اور ہے۔ اس کی ڈیمانڈ اور ہیں۔ اب میں کیسے سمجھاؤں۔'' ثاقب نے الجھتے ہوئے کہا۔

''تمہارا مطلب ہے کہ ہماری تربیت کرنے کا طریقہ غلط تھا؟'' دادا جان نے خفگی سے ثاقب کو گھورا۔

''نہیں! میرا مطلب یہ نہیں تھا مگر ہم تجربات سے بہت کچھ سیکھتے ہیں۔'' ثاقب نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

''بیٹا! بچے تجربات کرنے کے لیے نہیں ہوتے، تمہارا دل کیا تو تم نے اسے بے تحاشا لاڈ و پیار دیا، ہر ضد پوری کی۔ جب تم نے اسے شروع سے عادتیں ہی ایسی ڈالی ہیں تو تم اس سے کچھ الگ کرنے کی امید کیوں رکھتے ہو؟'' دادا جان نے سختی سے پوچھا۔

''بابا ہر ضد پوری کرنے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ وہ کسی کی خواہش کا خیال ہی نہ رکھے۔'' ثاقب نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

''بیٹا تم ہی تو کہتے تھے کہ میرا بیٹا کسی چیز پہ ہاتھ رکھے اور میں اسے نہ لے کر دوں، یہ ممکن ہی نہیں ہے۔''

تمہاری انہی باتوں اور رویے کی وجہ سے وہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ دُنیا میں سب اس کے خلاف ہو سکتے ہیں، اس کی بات کو رد کر سکتے ہیں، مگر اس کے پاپا نہیں...... اسی لیے وہ تم سے یہ امید رکھتا تھا کہ ہمیشہ کی طرح، اب بھی تم اسی کی مانو گے۔''

دادا جان نے حالات کا تجزیہ پیش کیا تو ثاقب سر تھام کے رہ گیا۔

''اب میں کیا کروں؟'' ثاقب نے بے چارگی سے سوال کیا۔

''وہ ہی جو تمہارا دل کہتا ہے مگر ''ضد'' اور ''انا'' کو سائیڈ پہ رکھ کر فیصلہ کرو۔'' دادا جان نے ثاقب کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''اور یہ دل ہمیشہ سے صرف اس کی 'خوشی' ہی چاہتا ہے۔'' ثاقب نے مسکراتے ہوئے اعتراف کیا اور دادا جان ہنس پڑے۔ دونوں باپ بیٹا دھیرے دھیرے چلتے ہوئے پارک سے باہر نکل گئے۔

رات کو کھانے کی میز پہ عادل نے ہاتھ میں پکڑا فارم باپ کی طرف بڑھایا۔

''یہ کیا ہے؟'' ثاقب نے حیرانگی سے پوچھا۔

''میں نے فارم فل کر دیا ہے۔ میں آپ کی بات مان کر انجینئرنگ ہی پڑھ لوں گا۔ اس لیے کہ میرے لیے آپ اہم ہیں، میری 'خواہش' نہیں۔'' عادل نے سنجیدگی سے کہا تو ثاقب نے نم آنکھوں سے اسے اُٹھ کر گلے سے لگا لیا۔

''اور میری خوشی ہمیشہ سے تمہاری خوشی میں ہے۔ عادل یہ لو کامرس کالج کا داخلہ فارم، میں کل ہی جمع کروا دوں گا۔ تم اسے فل کر دو۔''

ثاقب نے انجینئرنگ کا فارم پھاڑتے ہوئے دوسرا فارم اسے پکڑایا تو عادل خوشی سے اچھل پڑا۔

''یاہو...... میرے پاپا، دُنیا کے بہترین پاپا ہیں۔'' عادل نے ہنستے ہوئے کہا تو ثاقب نے بے ساختہ اسے ٹوک دیا۔

''نہیں! میرے بابا دُنیا کے بہترین بابا ہیں جنہوں نے ہمیشہ مجھے صحیح راستہ بتایا ہے۔'' ثاقب آگے بڑھ کر اپنے باپ سے لپٹ گیا۔

''ہاں! وہ تو ہے۔ میرے دادا جان جیسا کوئی نہیں ہے۔ میرے پاپا بھی......'' عادل نے شرارت سے دادا جان کے گلے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا تو سب ہنس پڑے۔

''اور تم دونوں باپ بیٹے جیسا بے وقوف بھی کوئی نہیں ہے جنہوں نے چھوٹی سی بات کے پیچھے انا اور ضد کے اتنے پہاڑ کھڑے کر لیے تھے۔'' دادا جان نے دونوں باپ بیٹا کی کھچائی کرتے ہوئے کہا۔

''سوری! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' دونوں نے معذرت کی اور سب ہنسی خوشی مل کر کھانا کھانے لگے۔ زندگی انہی خوشیوں کا ہی تو نام ہے!!!

☆☆☆

# مختصر مختصر

## صفائی

آؤ صفائی کی عادت ڈالیں
مل کر سب کی صحت بچائیں
سب سے پہلے اپنی صفائی
ہاتھوں، کانوں، بالوں کی صفائی
مل کر صاف کرو اپنے گھر کو
پر کوڑا گلی میں نہ پھینکو
جانے ہر بچہ مسلمان
صفائی ہے نصف ایمان
اللہ کو پسند ہے صفائی
اسی میں ہم سب کی بھلائی

(محمد تاثیر مہدی)

## کام

کام ہے قوموں کی عزت کام سے اونچا نام
کام ہی سب کا کام بنائے کام کرو بس کام
کام کرو اور کرتے جاؤ کام سے منہ نہ موڑو
قائد بھی یہ کہہ گئے سب کو کام کام اور کام
بے کاری سے بچنا بچو رہنا اس سے دُور
محنت ہی سے پاؤ گے تم منزل اور مقام

(حسان شاہد، بہاول پور)

## علم کے درجے

''حضرت فضیل ابن عیاضؒ بہت عبادت گزار عالم تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ علم کے پانچ درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی خاموش رہنا سیکھے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ غور سے سننا سیکھے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ جو کچھ سنے اسے یاد رکھے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ جو کچھ سنے اس پر عمل کرے۔ پانچواں درجہ یہ ہے کہ جو علم حاصل کرے اسے پھیلائے۔''

ساتھیو! ہمیں علم حاصل کرنے کے لیے علم کے درجوں کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے۔

(رشدہ عدنان، کراچی)

## یہ وقت بھی گزر جائے گا

سلطان محمود غزنوی نے اپنے غلام ایاز کو ایک انگوٹھی دی اور کہا کہ اس پر ایک ایسا جملہ لکھو کہ جس کو میں اگر خوشی میں دیکھوں تو غمگین ہو جاؤں اور اگر غم میں دیکھوں تو خوش ہو جاؤں۔

غلام ایاز نے لکھا: ''یہ وقت بھی گزر جائے گا۔''

(جویریہ یونس، لاہور)

## جنگ اور امن

کسی نے سقراط سے پوچھا۔ ''جنگ کیا ہے اور امن کیا ہے؟''

سقراط نے جواب دیا۔ ''امن وہ زمانہ ہے جب جوان بوڑھوں کی لاشوں کو کندھوں پر اٹھا کر قبرستان میں دفن کرتے ہیں اور جنگ وہ زمانہ ہے جب بوڑھے جوانوں کی لاشوں کو اپنے کمزور نحیف کندھوں پر اٹھا کر قبرستان پہنچاتے ہیں۔''

(ارفع وحید، گوجرانوالہ)

## محنت میں عظمت

ایک دفعہ حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں ایک ضرورت مند نوجوان حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ، میری کچھ مدد فرمائیں۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟

اس نے بتایا کہا کہ اس کے پاس صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک کمبل اور ایک پیالا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''جاؤ، لے آؤ۔''

نوجوان گھر سے دونوں چیزیں لے آیا۔ آپؐ نے پیالا پکڑ کر صحابہؓ سے پوچھا: ''کون یہ پیالا خریدے گا؟''

ایک صحابیؓ نے وہ پیالا خرید لیا اور پیسے رسولؐ کو دے دیے

آپ نے وہ پیسے اس نوجوان کو دیے اور فرمایا:

''جاؤ بازار سے کلہاڑی لے آؤ۔''

وہ بازار سے کلہاڑی لے آیا تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کو لکڑی کا دستہ لگایا اور فرمایا کہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بازار میں بیچو اور پندرہ دن بعد میرے پاس آنا۔

وہ شخص پندرہ دن بعد آیا تو آپ نے پوچھا: ''کیا حال ہے؟''

اس نوجوان نے کہا۔ ''اب تو بہت بہتر ہو گیا ہے، کچھ پیسے بچ جاتے ہیں تو اس سے گھر کا سودا سلف خرید لیتا ہوں۔''

آپ نے فرمایا: ''محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے، دوسروں کے آگے ہاتھ مت پھیلاؤ۔''

(حمنہ زاہد، گوجرانوالہ)

## نو اہم نصیحتیں

پڑھیے انتخاب کے ساتھ

خدمت کریں لگن کے ساتھ

بولیں اختصار کے ساتھ

عبادت کریں محبت کے ساتھ

زندگی گزاریں اعتدال کے ساتھ

غور کریں گہرائی کے ساتھ

بحث کریں دلیل کے ساتھ

مقابلہ کریں جرأت کے ساتھ

بات سنیں توجہ کے ساتھ

(خدیجۃ الکبریٰ، کھڈیاں خاص)

## اقوالِ زریں

☆ علم مال سے بہتر ہے، علم تمہاری حفاظت کرتا ہے جب کہ تم مال کی حفاظت کرتے ہو۔

☆ اگر لوگ تم میں ایسی صفت بیان کریں جو تم میں نہیں تو مغرور مت ہو کیوں کہ جاہلوں کے کہنے سے ٹھیکری سونا نہیں بن سکتی۔

☆ وقت کی مشین کا ہر ہر ذرّہ سونے کی مانند قیمتی ہے۔

☆ دُنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

☆ بے زبانوں سے محبت کرو کیوں کہ وہ لفظوں کے تیر چلانا نہیں جانتے۔

(مریم سلیمان بٹ، گوجرانوالہ)

## والدین گر بُرے بھی ہوں

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے انتہائی برگزیدہ پیغمبر تھے۔ آپ کی پیغمبری کا یہ امتیازی امر تھا کہ آپ کوہِ طور پر جا کر اللہ سے ہم کلام ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے پوچھا کہ ''اے پروردگار! اس وقت آپ کا وہ کون سا خوش نصیب بندہ ہے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟'' دل میں تھا کہ اللہ کا نبی ہوں، یہ اعزاز مجھے ہی ملے گا لیکن بارگاہِ الٰہی سے جواب ملا: ''اے میرے لاڈلے پیغمبر! فلاں بستی میں فلاں نامی شخص اس وقت میرا سب سے زیادہ محبوب بندہ ہے۔ تم بھی اس سے ضرور ملنا۔''

کلام سے فارغ ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بستی کی طرف چل دیے اور اس شخص کے گھر پہنچ گئے۔ دستک دینے پر اسی شخص نے (جو کہ ایک یہودی تھا) دروازہ کھولا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اندر تشریف لانے کو کہا۔ آپ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک سؤر اور سؤرنی بندھے کھڑے ہیں اور وہ آدمی ان کے آگے کھانے کا سامان ڈال رہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے سارا واقعہ بتایا اور دریافت فرمایا کہ اے میرے بھائی! آپ کا سلسلہ روزگار کیا ہے جس کی وجہ سے آپ اللہ کے محبوب بندے ہیں؟

یہودی نے کہا: ''میں تو ایک غریب آدمی ہوں، یہ جو سؤر اور سؤرنی بندھے ہیں یہ میرے ماں باپ ہیں۔ کسی بداعمالی کی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے ان کی شکل مسخ کر دی اور انہیں انسان سے سؤر بنا دیا لیکن چونکہ میرے والدین ہیں اور میرے محسن ہیں تو میں سارا دن جو بھی کماتا ہوں سب سے پہلے ان کے آگے کھانا پیش کرتا ہوں، انہیں نہلاتا دھلاتا ہوں اور پھر بعد میں اپنے بچوں کو کھانا دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ میرا تو کوئی اور خاص عمل نہیں جس کی وجہ سے میں اللہ کا محبوب بن سکوں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اے اللہ کے بندے! اللہ کے ہاں تیرے محبوب ہونے کا راز میرے لیے کھل گیا ہے۔ اللہ کریم کو آپ کی یہ نیکی بہت پسند آئی ہے۔ سزا ملنے کے باوجود آپ نے جس خلوص کے ساتھ اپنے والدین کو گلے لگایا ہے، ان کے دل سے نکلنے والی دعاؤں کی بدولت آپ اللہ کے سب سے محبوب بندے بن گئے ہیں۔''

(عروج گل، لاہور)

# میری زندگی کے مقاصد

میں ڈاکٹر بنوں گا اور اپنے ملک کا نام روشن کروں گا۔

میں کرکٹر بنوں گا اور اپنے ملک اور والدین کا نام روشن کروں گا۔

میں بڑا ہو کر ملک و قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

میں استانی بن کر بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کروں گی۔

میں بہت محنت کر کے ایک کامیاب ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں۔

میں آرمی آفیسر بن کر ملک و قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

میں ڈاکٹر بن کر انسانیت کی خدمت کروں گا۔

میں حافظِ قرآن بننا چاہتا ہوں اور دین کی روشنی پوری دنیا میں پھیلاؤں گا۔

میں پاک فوج ملک کی خاطر شہادت کا درجہ پانا چاہتا ہوں۔

میں پائلٹ بنوں گا اور ملک کی سرحدوں کی حفاظت کروں گا۔

میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بنوں گا اور ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

میں پڑھ لکھ کر ملک کا نام روشن کروں گی۔

میں ایک قابل سائنس دان بنوں گا اور ملک میں جدید ٹیکنالوجی متعارف کراؤں گا۔

میں حافظ قرآن بنوں گا اور دین اسلام کی روشنی پوری دنیا میں پھیلاؤں گا۔

میں ڈاکٹر بن کر والدین کا نام روشن کروں گا۔

فضہ رضوان، لاہور
میں استانی بن کر قوم کی خدمت کروں گی۔

فراست علی، کراچی
میں بڑا ہو کر دین اسلام کی تعلیمات پوری دنیا میں پھیلانا چاہتا ہوں۔

مدثر صدیق، کراچی
میں دین اسلام کی روشنی پھیلاؤں گا۔

آمنہ علی، اسلام آباد
میں ڈاکٹر بن کر آرمی جوائن کروں گی اور اپنے ملک کی خدمت کروں گی۔

میں استانی بن کر ملک و قوم کے نونہالوں کو تعلیم دوں گی۔

محمد ریان احمد، اسلام آباد
میں بڑا ہو کر فوجی بنوں گا اور اپنے وطن کی سرحدوں کی حفاظت کروں گا۔

میں بڑا ہو کر فوجی بنوں گا اور ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

میں بڑا ہو کر انجینئر بنوں گا اور ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

میں بڑی ہو کر سائنس دان بنوں گی اور اپنے ملک کا نام روشن کروں گی۔

میں آرمی ڈاکٹر بن کر دکھی انسانیت کی خدمت کروں گی اور والدین کا نام روشن کروں گی۔

درج ذیل دیے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔روئے زمین پر سب سے پہلے وجود میں آنے والی مسجد کا کیا نام ہے؟

i۔ مسجد الحرام ii۔مسجد ضرار iii۔مسجد قبا

2۔ابوالبشر کس پیغمبر کو کہا جاتا ہے؟

i۔حضرت نوحؑ ii۔حضرت آدمؑ iii۔حضرت ہارونؑ

3۔سنت کا لفظی مطلب راستہ کے ہیں، سنت کو اور کس لفظ سے تشبیہ دی جاتی ہے؟

i۔وحی ii۔حدیث iii۔آیت

4۔بتایئے کرونومیٹر سے کون سی چیز ناپی جاتی ہے؟

i۔دودھ ii۔ہوا iii۔وقت

5۔کاغذ کی ایجاد کا سہرا کس ملک کے سر ہے؟

i۔روس ii۔چین iii۔جاپان

6۔ٹیپو سلطان نے جامِ شہادت کب نوش کیا؟

i۔1797ء ii۔1799ء iii۔1800ء

7۔علامہ اقبال نے 1932ء میں کس مسجد میں حاضری دی؟

i۔مسجد نبویؐ ii۔مسجد قرطبہ iii۔مسجد الحرام

8۔ویسٹ چیسٹر کپ کس کھیل میں دیا جاتا ہے؟

i۔پولو ii۔گولف iii۔شطرنج

9۔صوبہ سرحد کا سرسید کسے کہا جاتا ہے؟

i۔خوش حال خان خٹک ii۔سید احمد شہید iii۔عبدالقیوم خان

10۔پشاپد کس علاقے کے قدیم باشندوں کو کہا جاتا ہے؟

i۔سوات ii۔چترال iii۔کیلاش

## جوابات علمی آزمائش مارچ 2014ء

1۔حبشہ 2۔یروشلم 3۔بیگ 4۔قطب نما 5۔مسجد قبلتین 6۔بھیڑیا 7۔حضرت فاطمہؓ 8۔اکبر الٰہ آبادی 9۔مولانا روم 10۔پشاور

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

☆ محمد ظہیر احمد ظہوری، گوجرانوالہ (150روپے کی کتب)

☆ ذاذان اویس قادری، کاموکی (100روپے کی کتب)

☆ نمرہ ظہور، فیصل آباد (90روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بذریعہ قرعہ اندازی: اقصیٰ سجاد، راول پنڈی۔ سارا احمد، لاہور۔ غنی بدر، لاہور۔ طہٰ عبداللہ اعوان، گوجرانوالہ۔ ولید احمد، گوجرانوالہ۔ مرزا ہادی بیگ، حیدرآباد۔ مریم انصاری، حیدر آباد۔ عبداللہ شاہ، دریا خان۔ حانیہ رضا، لاہور۔ زارا وہاب، اسلام آباد۔ ثمرن عظیم، اسلام آباد۔ اریبہ عظمت، صہیب عظمت، راول پنڈی۔ تحریم مریم شاہد، ملتان۔ افشین زمان، کرک۔ عاصم طفیل، گوجرانوالہ۔ اقدس اکرام، اٹک۔ رضوان اشہد، پشاور۔ نادیہ حسن، کوٹری۔ زویا احمد، گوجرانوالہ۔ محمد حذیفہ مقصود، اسلام آباد۔ حب وسیم، گوجرہ۔ ولید اشرف، گوجرہ۔ طوبیٰ احمد، لاہور۔ محمد ولید رانا، لاہور۔ محمد حمزہ سعید، بورے والا۔ محمد گوہر مصطفیٰ، رحیم یار خان۔ کومل صادق چوہدری، گوجرانوالہ۔ عبدالسمیر، کراچی۔ محمد جنید بشیر، راہوالی۔ حوا ملک، لاہور۔ محمد احمد خان غوری، بہاول پور۔ علی عمیر ظفر، گوجرانوالہ۔ سید نقیب الفضل ہاشمی، راول پنڈی۔ محمد عمر عطا قادری، کاموکی۔ نور فاطمہ قادری، محمد اسد عبداللہ قادری، حسیب نواز قادری، محمد دانش رفیق قادری، کاموکی۔ محمد فیصل ہزاروی، گوجرانوالہ۔ مریم سلیمان بٹ، گوجرانوالہ۔ زینب محمود، گوجرانوالہ۔ فضا کیانی، لاہور۔ اسریٰ یاور، رحیم یار خان۔ محمد عبداللہ ضیاء، فیصل آباد۔ محمد کلیم، بھکر۔ عبدالکریم رحمانی، گوجرانوالہ۔ محمد سمیع اللہ، چکوال۔ محمد عاقب، گجرات۔ محمد ریان طیب، راول پنڈی۔ محمد مدثر صدیق، کراچی۔ بشارت، کراچی۔ نمرہ لاریب، کوہاٹ۔ حسنہ نوال، ملتان۔ فاروق علشبہ، ملتان۔

☆☆

# بوجھو تو جانیں

1- ہر ملک کی سیر کراتی ہوں
جو پوچھو وہ بتلاتی ہوں
جو بات سمجھنا چاہو تم
چٹکی سے میں سمجھاتی ہوں
جو مجھ سے الفت رکھتے ہیں
میں ان کی شان بڑھاتی ہوں
جو علم کے پیاسے ہوتے ہیں
میں ان کی پیاس بجھاتی ہوں

2- چار ہیں رانیاں ایک ہے راجہ
ہر کام میں ان کا ساجھا

3- ایک گاڑی کے بارہ ڈبے
ہر ڈبے میں چار مسافر
ہر مسافر کے دو بچے
ایک ہے کالا، ایک ہے گورا

(علیزہ اکبر، اسلام آباد)

4- سر پہ نور کا تاج سجائے
دو راجہ اک دیس سے آئے
اک سے ہر کوئی آنکھ ملائے
اک سے ہر کوئی آنکھ چرائے

5- کالا گھوڑا سفید سواری
ایک کے بعد دوسرے کی باری

(حریشہ جلال، راولپنڈی)

6- ایسا بنگلہ تم کو دکھائیں
جس میں ایک جہان سمائیں

(ماہ نور عثمان، کراچی)

جوابات: 1۔ کتاب 2۔ انگلیاں اور انگوٹھا 3۔ سال، مہینے، ہفتے دن، رات 4۔ چاند، سورج 5۔ توا، روٹی 6۔ آنکھ۔

**کس کا کھونٹا:** اوپر کی تصویر میں پانچ چیزیں پانچ کھونٹوں سے بندھی ہیں۔ ہر کھونٹے پر نمبر دیا گیا ہے۔ اب یہ بتاؤ، کہ کون سی چیز کس کھونٹے سے بندھی ہے۔ ذرا محنت کی ضرورت ہے۔

**نقطے ملائیں:** اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ یہ بچے کس تصویر میں رنگ بھر رہے ہیں تو نقطوں کو ملا کر دیکھو۔

محاورہ کہانی

زبیدہ سلطانہ

# چلّو بھر پانی میں ڈوب مر

سالار، خالہ کے ہاں سے آیا تو بہت چپ چپ تھا۔ ماں نے دیکھا تو پوچھا: ”بہت خاموش ہو، کیا بات ہے؟“

”امی! خالہ نے آج مجھے بڑی ڈانٹ پلائی۔“ وہ شرمندہ ہو کر بولا۔

”بہت اچھا کیا! تم نے جو اتنا بڑا جھوٹ بولا اور سارے خاندان میں ان کے بیٹے کے فیل ہونے کی جھوٹی خبر پھیلا کر انہیں اس قدر پریشان کیا، بھلا یہ تمہیں کیا سوجھی؟“ ماں نے خفا ہو کر کہا۔

سالار نادم ہو کر بولا: بس حماقت ہو گئی، دوستوں کے کہنے میں آ کر اپریل فول بنانے کی غلطی ہو گئی۔“

”پھر بات کہاں ختم ہوئی......، تم نے خالہ سے معافی مانگی؟“ امی نے پوچھا۔

”معافی کیا، میں تو سب کے سامنے اس قدر نادم ہوا کہ جی چاہتا تھا کہ قریب کوئی دریا ہو تو ڈوب کر مر جاؤں۔“ سالار نے رقت بھری آواز میں کہا۔

”دریا پر ہی کیا موقوف، ان حالات میں تو ڈوب مرنے کو چلّو بھر پانی ہی کافی ہے......!!“ سالار کی بہن زرّیں نے ہنس کر کہا۔

”وہ کیسے؟“ سالار نے چونک کر پوچھا۔

وہ ایسے کہ چلّو میں پانی لو اور اس میں اپنی ناک ڈبو دو۔ بس کام ہو جائے گا!!“ بہن نے مذاق سے کہا تھا مگر سالار سنجیدگی سے بولا: ”ویسے بات تو ٹھیک ہے، آزمائش شرط ہے!!“

یہ سن کر امی، زرّیں پر خفا ہونے لگیں: ”کیا فضول بات ہے۔ کیسی خطرناک حرکت سمجھا رہی ہو اس احمق کو؟“

”امی جان! میں تو یوں ہی مذاق کر رہی تھی۔“ زرّیں نے گھبرا کر جواب دیا۔ سالار کی بہن نے تو مذاق ہی کیا تھا مگر ہے دراصل یہ محاورہ۔ جب کوئی شخص ناقابلِ برداشت حرکت کرتا ہے تو اسے شرم سار کرنے کے لیے یہ محاورہ کہا جاتا ہے، شرم کرو! چلّو بھر پانی میں ڈوب مرو!

## بابا گرو نانک

سکھ مذہب کے بانی حضرت بابا گرو نانک 15 اپریل 1469ء ننکانہ صاحب (اُس وقت ضلع لاہور) میں پیدا ہوئے۔ آج اس مقام کو گوردوارہ جنم استھان کہا جاتا ہے۔ آپ کے والد پٹواری تھے جن کا نام کلیان چند داس بیدی تھا جب کہ ماں کا نام ماتا ترپتا (Mata Tripta) تھا۔ آپ کی ایک بہن بھی تھی جو پانچ سال بڑی تھی۔ اس کا نام بی بی نانا کائی (Bibi Nanaki) تھا۔ بابا گرونانک جسم کی پاکیزگی اور ایک خدا کے تصور پر ایمان رکھتے تھے۔ لوگوں کو بھلائی اور ایک دوسرے سے محبت کا درس دیتے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے ملک کے دور دراز علاقوں میں جا کر تبلیغ کی۔ بابا گرونانک کی شادی ماتا سلکھانی (Sulkhani) سے ہوئی۔ آپ کی تعلیمات پر مشتمل ایک کتاب گرنتھ بھی موجود ہے جس میں لوگوں کو نیکی کی دعوت دی گئی ہے۔ گرونانک سکھ اکیڈمی لندن سمیت بھارت میں لدھیانہ، ممبئی اور امرتسر میں کئی تعلیمی ادارے اور سڑکیں آپ کے نام پر ہیں۔ پاکستان میں بھی ضلع ننکانہ صاحب میں اسکول اور کالج بابا گرونانک کے نام پر ہیں جب کہ آپ کے نام سے عبادت گاہ برمنگھم برطانیہ، دبئی، ممبئی وغیرہ میں قائم ہیں۔ بابا گرونانک کے جنم دن منانے ہزاروں سکھ یاتری ہر سال پاکستان آتے ہیں۔ آپ 70 برس کی عمر میں 22 ستمبر 1539ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔
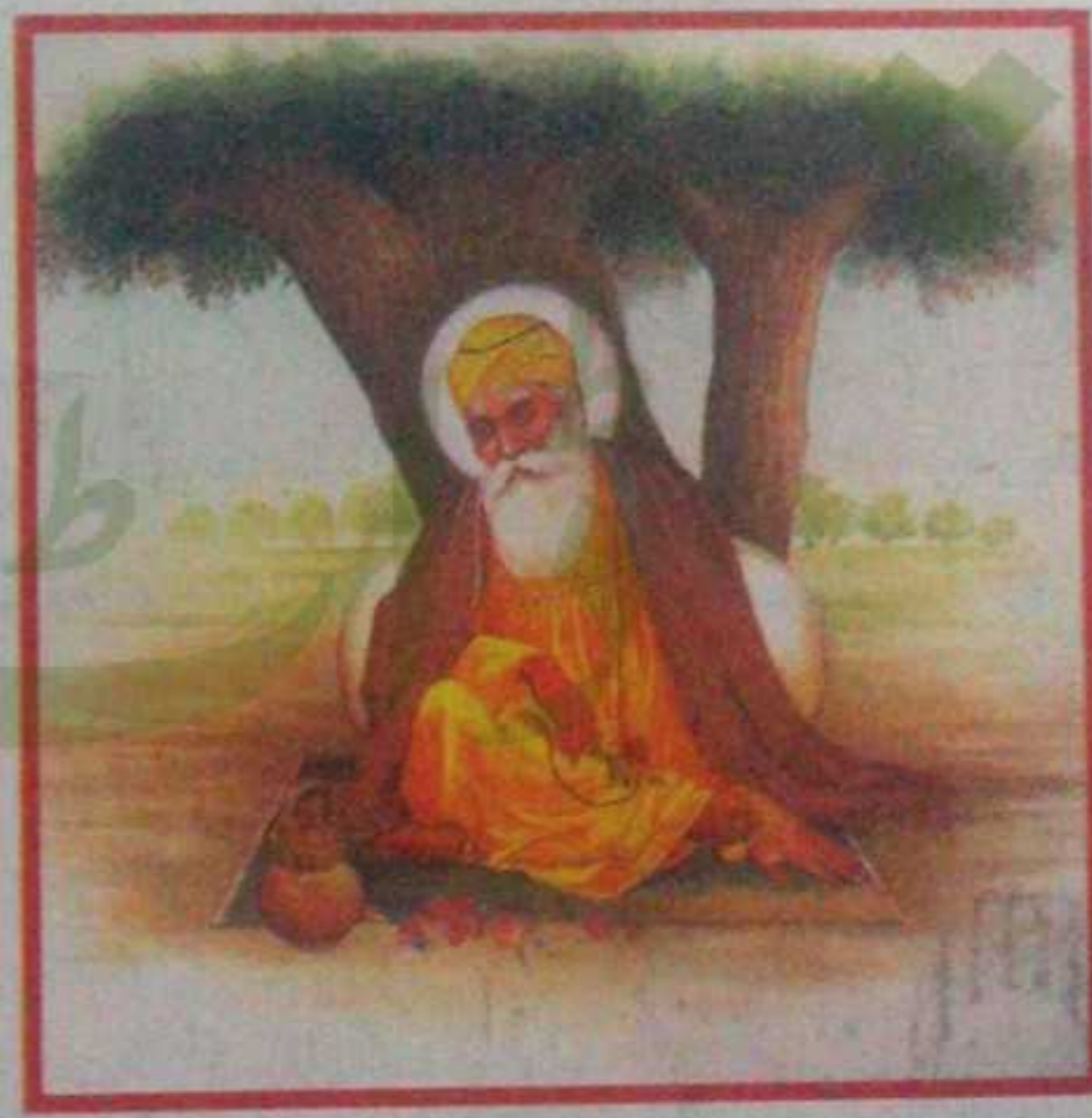
## سیرالیون

سیرالیون (Sierra Leone) مغربی افریقہ کا ایک ملک ہے جس کا کل رقبہ 71 ہزار 740 مربع کلومیٹر ہے جب کہ آبادی ایک کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ اس کا دارالحکومت فری ٹاؤن (Free town) ہے۔ یہ ملک کا بڑا شہر ہے۔ ملک میں عیسائی اور مسلمانوں کی بڑی تعداد بستی ہے، تاہم مذہبی ہم آہنگی قائم ہے۔ 1462ء میں پرتگالی سیاح "Pedro De Sintra" نے پہلی بار اس ملک (خطے) کو معلوم کیا۔ یہاں کے پہاڑوں کی مناسبت سے پرتگالی میں نام رکھا "Serra De leao" اس کا مطلب ہے شیر کی شکل کے پہاڑ۔ ابتداء میں پرتگال، بعد ازاں برطانیہ اور فرانس کی حکومتیں غلاموں کو یہاں لا کر رکھتے تھے۔ آخر یہاں برطانیہ کا قبضہ رہا۔ تاہم جدوجہد آزادی کے بعد سیرالیون کے

لوگوں کو برطانوی تسلط سے آزادی ملی اور سیرالیون 27 اپریل 1961ء کو آزادی کی منزل حاصل کر پایا۔ سرملٹن مارگئی (Sir Milton Margai) ملک کے پہلے صدر بنے۔ یہ ملک گھنے جنگلات اور قدرتی وسائل سے مالا مال ہے لیکن تعلیمی و سیاسی پسماندگی کا شکار ہے۔ اس ملک میں ہیرے بھی بکثرت ہیں۔ 70 فی صد مسلمانوں والے اس ملک کی کرنسی کا نام (Leone-SLL) ہے۔ لیون کرنسی 4 اگست 1964ء کو متعارف کروائی گئی تھی۔ اس ملک کی سرکاری زبان انگلش ہے۔

## گلی ڈنڈا

گلی ڈنڈا (Gilli Danda) پنجاب کا روایتی کھیل ہے۔ تاہم یہ بھارت، کمبوڈیا اور اٹلی میں بھی کھیلا جاتا ہے۔ انگلش میں اس کھیل کو ٹپ کیٹ "Tipcat" کہتے ہیں۔ اس کھیل کو دو یا دو سے زائد کھلاڑی کھیل سکتے ہیں۔ ایک ڈنڈے کی مدد سے چھوٹی سی گلی کو ضرب لگا کر دور پھینکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ زمین میں چھوٹا سا گڑھا کر کے اس میں گلی پھنسا دی جاتی ہے۔ اس گھڑے کو کھتی کہتے ہیں۔ تقریباً 5 سے 9 انچ تک لکڑی کا ٹکڑا گلی کہلاتا ہے جس کے دونوں سرے تراش کر نوکیلے کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر دوسرا کھلاڑی، گلی کو فضا میں پکڑے تو کھلاڑی آؤٹ ہو جاتا ہے۔ یہ کھیل لگ بھگ 2500 سال پہلے شروع ہوا۔ خیال ہے کہ کرکٹ کا کھیل اسی سے نکلا ہے جس میں ڈنڈے کی شکل میں بلا ہے اور گلی کی جگہ گیند نے لے لی ہے۔ پاکستان بھر میں اس کھیل کے ٹورنامنٹ بھی ہوتے ہیں۔ اس کھیل کی یہ خوبی ہے کہ دو مختصر اشیاء سے بہت سے لوگ میدان میں کھیل کر محظوظ ہوتے ہیں۔

## حبیب بینک پلازہ

حبیب بینک پلازہ (Habib Bank Plaza) پاکستان کے ایک معروف بینک کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ یہ عمارت 1963ء سے 2005ء تک پاکستان کی بلند ترین عمارت رہی لیکن آج بھی یہ عمارت کراچی شہر کی چوتھی اور پاکستان کی نویں بلند ترین عمارت ہے۔ اس عمارت کا آرکیٹیکٹ "Leo A. Daly" تھا۔ اس نام سے امریکہ میں ایک پرائیویٹ انجینئرنگ کمپنی ہے جو 1915ء سے قائم ہے۔ اس کمپنی کی تعمیر میں حیدری کنسٹرکشن کمپنی لمیٹڈ نے اہم کردار ادا کیا۔ 1963ء سے 1970ء تک برصغیر پاک و ہند کی بلند ترین عمارت تھی۔ تاہم 1970ء میں ممبئی ورلڈ ٹریڈ سنٹر بننے کے بعد یہ دوسرے نمبر پر آ گئی۔ یہ عمارت 156 میٹر بلند تھی جب کہ حبیب بینک پلازہ کی بلندی 101 میٹر یعنی 331 فٹ ہے۔ اس پروجیکٹ کے چیف انجینئر خواجہ عنایت اللہ تھے۔

☆

# معلومات عامہ

- انسانی جسم میں خون کا ردِ عمل خفیف قلوی کہلاتا ہے۔
- انسانی جسم میں عضلات کی تعداد تقریباً 620 ہے۔
- انسانی جسم میں "اینامل" دانت کے اوپر کی پالش ہے۔
- انسانی جسم میں سب سے بڑی شریان اورطی ہے۔
- شریان اعظم انسانی جسم میں اورطی کی شریان کو کہا جاتا ہے۔
- اگر اتفاقاً خون کا دباؤ کم ہو جائے تو نبض کی رفتار بڑھتی ہے۔
- انسانی جسم میں پسلیوں کی تعداد 24 ہوتی ہے۔
- انسانی جسم میں بالوں میں گندھک سب سے زیادہ ہوتی ہے۔
- عقل داڑھ بلوغت میں نکلتی ہے۔
- علم حیاتیات کا بانی ارسطو کو کہا جاتا ہے۔
- علم نباتات (باٹنی) کا بانی تھیوفراسٹس کو کہا جاتا ہے۔
- فردوس الحکمۃ مسلمان سائنس دان ابن طبری کی کتاب ہے۔
- ولیم ہاروے نے انسانی جسم کے اندر خون کی گردش کا انکشاف کیا تھا۔
- بقراط نے تقریباً 2 ہزار سال پہلے اس نظریے کی تردید کر دی تھی کہ بیماری کا سبب جادو ہے۔
- رکٹس کی بیماری وٹامن D کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔
- انسانی جلد کی تین تہیں ہوتی ہیں۔
- انسانی جلد کی بیرونی تہیں ایک ہوتی ہیں۔
- انسانی جلد کی اندرونی دو تہیں ہوتی ہیں۔
- جب ہم بولتے ہیں تو ہمارے 70 عضلات حرکت کرتے ہیں۔
- سب سے پہلے منتون لیوین ہوک نے جراثیم دیکھے تھے۔
- وٹامن B کی کمی کی وجہ سے بیری بیری کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔

(ام سلمیٰ، کراچی)

- زمانہ قدیم میں تیونس کے دارالحکومت کو سفید دارالخلافہ کہا جاتا تھا۔
- آزاد لوگوں کی سرزمین ایشیاء کے ملک تھائی لینڈ کو کہا جاتا ہے۔
- براعظم افریقہ کے ملک ایتھوپیا کو صحرا کا چمن کہا جاتا ہے۔
- افریقی ملک گبون کو سبز سونے کی سرزمین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔
- چوہدری رحمت علی نے لفظ "پاکستان" کو 1933ء وضع کیا۔
- 23 مارچ 1940ء کو قراردادِ لاہور کو ہندو اخبارات نے قرار دادِ پاکستان کا نام دیا۔
- نواب سلیم اللہ کی تجویز پر تقسیم بنگال عمل میں آئی۔
- آل انڈیا مسلم لیگ کا آئین سر محمد شفیق نے بنایا۔
- آل پاکستان مسلم لیگ کے پہلے صدر چوہدری خلیق الزماں تھے۔
- چوہدری رحمت علی لندن سے "پاکستان" کے نام سے ہفت روزہ نکالا کرتے تھے۔
- سندھ میں مدرستہ الاسلام کی بنیاد حسن علی آفندی نے رکھی۔
- مسلم لیگ کے اولین سیکرٹری حسن علی بلگرامی تھے۔
- 1944ء میں گاندھی نے نظریہ پاکستان ماننے سے انکار کر دیا تھا۔
- کانگریسی رہنما گوپال اچاریہ کا خیال تھا کہ ہندوؤں کو نظریہ پاکستان قبول کر لینا چاہیے۔
- قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگی جلال بابا نے اپنی ٹرانسپورٹ پاکستان کے لیے وقف کر دی تھی۔
- انڈین نیشنل کانگریس نے 31 دسمبر 1929ء کو لاہور میں راوی کنارے آزادی کا پرچم لہرایا تھا۔
- چوہدری رحمت علی نے 1923ء میں "دی لینڈ آف پاکستان" نامی کتاب لکھی۔
- مسلم لیگ کا اساسی اجلاس ڈھاکہ میں منعقد ہوا تھا۔

(شگفتہ نسرین، کوئٹہ)

# سائنس کارنر

## چونگ گم کیسے بنتے ہیں؟

چونگ گم (Chewing Gum) ایک خاص قسم کے درخت کے رس یا دودھ سے بنائے جاتے ہیں۔ یہ درخت وسطی امریکا کے گرم جنگلوں میں اُگتا ہے۔ دودھ نکالنے والے لوگ ان درختوں کے تنوں پر جگہ جگہ تیز چاقو سے شگاف لگا دیتے ہیں۔ ان شگافوں میں سے دودھ جیسا سفید مواد رس رس کر نیچے رکھی ہوئی بالٹیوں میں گرتا رہتا ہے۔

جب بہت سا دودھ اکٹھا ہو جاتا ہے تو اسے بڑے بڑے برتنوں میں گرم کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ گاڑھا ہو کر ربڑ جیسا بن جاتا ہے۔ اس ربڑ جیسی چیز کو چکل (Chicle) کہتے ہیں۔ جب یہ چکل ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو اس کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹتے ہیں اور انہیں چونگ گم بنانے والے کارخانوں کو بھیج دیتے ہیں۔

کارخانے میں چکل کو دوبارہ گرم کر کے اس میں چینی اور خوش بو ملائی جاتی ہے اور پھر اس کے چونگ گم بنائے جاتے ہیں۔ ببل گم (Bubble Gum) یعنی بلبلوں والا گوند بھی اسی چکل سے بنتا ہے۔ اس کے لیے چکل میں ایک خاص قسم کا نرم اور لچک دار پلاسٹک ملایا جاتا ہے جو دراصل مصنوعی ربڑ ہوتا ہے۔ جب آپ اس گم یا گوند کو چبا کر پھونک مارتے ہیں تو وہ پھول کر بلبلا بن جاتا ہے۔

## مکڑی اپنے جالے میں خود کیوں نہیں پھنستی؟

مکڑی کے جسم میں ننھی ننھی نلکیاں یا ٹیوبیں ہوتی ہیں جنہیں تار بنانے والے عضو (Spinnerets) کہتے ہیں۔ ان ٹیوبوں میں سے رقیق مادہ نکلتا ہے جو ہوا لگنے سے سخت ہو کر تار یا دھاگا بن جاتا ہے۔ مکڑی انہی دھاگوں سے جالا بنتی ہے۔

یہ دھاگے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک دھاگا لیس دار ہوتا ہے۔ مکھی، مچھر اور دوسرے کیڑے مکوڑے اسی دھاگے میں پھنستے ہیں۔ دوسرا دھاگا لیس دار نہیں ہوتا۔ مکڑی جالے پر چلتی ہے تو اسی دھاگے پر پاؤں رکھتی ہے۔ اسی لیے وہ جالے میں نہیں پھنستی۔

اگر کبھی غلطی سے مکڑی کا پاؤں لیس دار دھاگے پر پڑ جائے تو اس کا جسم دھاگے سے چپک جاتا ہے۔ اس صورت میں وہ اپنے جسم میں تیل جیسا ایک مادہ نکالتی ہے، جس سے اس کا جسم دھاگے سے چھوٹ جاتا ہے۔

## جانوروں کی دُمیں کیوں ہوتی ہیں؟

قدرت نے جانوروں کی دُمیں بے کار نہیں بنائیں۔ وہ ان سے بہت سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً گائے اور گھوڑا دُم سے مکھیاں اُڑاتے ہیں۔ لومڑی سردی سے بچنے کے لیے اپنی گچھے دار دُم جسم کے گرد لپیٹ لیتی ہے۔ کنگرو دُم سے ٹیک لگاتا ہے۔ مچھلی دُم سے چپّو کا کام لیتی ہے۔ کتا دُم سے خوشی، غصے اور ہار سے ماننے کا اظہار کرتا ہے۔

# چھاپہ خانہ کی کہانی

رانا محمد شاہد

چھاپہ خانہ...... دورِ حاضر کے لیے نہ صرف ایک مفید ایجاد ہے بلکہ یہ زندگی کے بہت سے شعبوں میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ چھاپہ خانے کے بعد آج کے دور کی سب سے اہم ایجاد کمپیوٹر بھی اسی تسلسل کا ایک حصہ ہے۔ یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ کتاب صدیوں سے انسان کی دوست، رہنما اور بہترین استاد رہی ہے۔ انسان آج جتنی بھی ترقی کر چکا ہے اور جتنے شعبوں کو مختلف ایجادات کے ذریعے مضبوط بنایا ہے، یہ سب کتاب کا مرہونِ منت ہے۔ کتاب کیسے وجود میں آئی، یہ ہم اسی تحریر میں آگے چل کر بتائیں گے۔ ہم میں سے بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ کتاب چھپنے کی ابتداء کب اور کہاں سے ہوئی اور اس فن کا ارتقاء کیسے ہوا۔

انسان نے زمانہ قدیم سے ہی لکھنا شروع کر دیا تھا۔ ماہرین آثارِ قدیمہ اور سائنس دانوں نے ایسے مختلف قدیم غار دریافت کیے ہیں جن میں ہزاروں سال قبل انسان رہتا تھا۔ تب انسان اپنے خیالات و احساسات کا اظہار غار کی دیواروں پر کرتا تھا۔ وہ غار کی دیواروں پر مختلف تصاویر اور خاکے کندہ کر دیا کرتا تھا۔ تاریک غاروں کی پتھریلی دیواریں ہی ابتدائی کتابیں تھیں۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا اور انسان تجربات و علم کے ذریعے مختلف اشیاء کا استعمال سیکھتا گیا۔ پھر لکڑی کے تختوں اور چمڑے پر لکھنے کا رواج ہوا۔ مؤرخین کے مطابق پہلی بار کاغذ چین میں استعمال کیا گیا۔ یوں چین، عراق، مصر اور دُنیا کے دوسرے مہذب اور ترقی یافتہ خطوں میں کاغذ کا استعمال کتابوں کے لیے عمل میں لایا گیا۔ لیکن کہانی یہاں پہ ختم نہیں ہوتی بلکہ یہیں سے تو صحیح معنوں میں شروع ہوتی ہے۔

لکڑی، چمڑے یا کاغذ پر ہاتھ سے لکھ کر کتابیں تیار کرنا بہت دشوار اور تھکا دینے والا کام تھا۔ ایک کتاب تیار کرنے کے لیے کئی مہینے اور سال لگ جاتے۔ یہ رفتار مطالعہ کے بڑھتے ہوئے شوق اور علم پھیلنے کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کے مقابلے میں بہت سست اور غیر تسلی بخش تھی۔ چنانچہ اس رفتار کو تیز کرنے کے لیے انسان نے غور و فکر شروع کر دیا۔

پاکستان کے دوست اور ہمسایہ ملک چین میں لکڑی کے تختوں پر حروف کندہ کر کے ان پر سیاہی لگا کر کاغذ پر چھاپنے کے عمل کی ابتداء سترہویں صدی میں ہوئی۔ بعد میں یہی طریقہ کوریا میں بھی رائج کیا گیا۔ یورپ میں چھپائی کا آغاز تصاویر سے ہوا۔ شروع میں تاش کے پتے چھاپے گئے لیکن جب پادریوں نے اس پر سخت

احتجاج کیا تو مشہور مذہبی پیشواؤں کی تصاویر، تشریحی عبارتوں کے ساتھ شائع کی گئیں۔ یوں پادریوں کے اعتراضات نرم پڑ گئے اور چھپائی کا کام جاری رہا۔

کہا جاتا ہے کہ ہالینڈ کا باشندہ لارنس کوسٹر کتاب چھاپنے کا موجد ہے۔ تاہم مورخین کے خیال کے مطابق ایک جرمن رہائشی جوہانس گوٹنبرگ نے چھپائی کے فن کا آغاز کیا تھا۔ گوٹنبرگ ہیرے جواہرات تراشنے کا فن سیکھنے اسٹراسبرگ گیا۔ وہیں اس نے کتاب چھاپنے کا فن بھی سیکھا۔ آخری عمر میں وہ اپنے آبائی قصبے "مینز" آیا اور دھات سے حروف ڈھال کر چھپائی کا عمل شروع کیا۔ ابتدائی تجربے کے بعد 1456ء میں لاطینی زبان میں "بائبل" کی چھپائی مکمل کی۔ اس میں اسے کئی سال لگے۔

چھپائی کا فن جرمنی سے اٹلی، اٹلی سے فرانس اور پھر انگلینڈ سے اس طرف مائل ہوا۔ ایک انگریز تاجر ولیم کیکسٹن نے جو ایک تجارتی مشیر تھا، برگنڈی سے کولون (جرمنی) کا سفر کیا اور وہاں سے چھپائی کا ہنر سیکھا۔ اس طرح اس نے یونانی زبان کی عظیم رزمیہ نظم "ایلیڈ" کو انگریزی میں ترجمہ کر کے چھاپ دیا۔ یونانی نظم "ایلیڈ" کا ترجمہ ہی انگریزی زبان میں چھپنے والی پہلی کتاب ہے۔

آج دُنیا میں سب سے زیادہ انگریزی کتابیں چھاپی، خریدی اور پڑھی جاتی ہیں۔ انیسوی صدی تک اخباروں، رسالوں اور کتابوں کی ایک بڑی تعداد چھپنا شروع ہوگئی لیکن یہ مطبوعات اسکالروں، پادریوں، پروفیسروں اور وکیلوں تک ہی محدود تھیں۔

انیسوی صدی کی ابتداء میں جرمنی کا ایک نوجوان فریڈرک کونگ اپنے دوست فریڈرک بوئر کے ہمراہ انگلستان آ کر رہنے لگا۔ اس نے چھپائی کی ایک مشین ایجاد کی۔ اس مشین کی ایجاد سے قبل چھپائی کا طریقہ کار بہت وقت طلب اور دشوار تھا۔ کتاب کے صفحے کا فرمہ بنا کر ہاتھ سے بیلن گھما کر اس پر سیاہی پھیری جاتی اور پھر کاغذ پر چھپائی ہوتی۔ اس عمل سے زیادہ وقت میں کم چھپائی ہوتی۔ فریڈرک کونگ نے سیاہی پھیرنے کے لیے ایسی مشین ایجاد کی کہ فرمہ مسلسل آگے پیچھے حرکت کرتے ہوئے سیاہی میں تر ہوتا اور صفحات چھپ کر باہر نکلتے رہتے۔ یوں ترقی ہوئی اور ایک گھنٹے میں گیارہ سے بارہ سو صفحات چھاپنا ممکن ہوگیا۔ پھر چھپائی کے فن میں مزید تیزی آگئی۔

یہاں اس بات سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر چھاپہ خانہ نہ ہوتا تو انسان آج ترقی کے لحاظ سے سو سال پیچھے ہوتا اور اس وسیع و عریض کائنات میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہوتا۔ اس ایجاد نے انسان کی کایا ہی پلٹ دی۔

ولیم بک نامی ایک امریکی نے 1863ء میں گردشی سلنڈروں والی ایک مشین "روٹری پریس" ایجاد کی۔ اس میں محور پر کاغذ کی لمبی ریل چڑھا کر کاغذ کی پٹی کو آگے بڑھایا جاتا ہے اور یوں ایک ہی صفحہ بار بار چھپتا چلا جاتا ہے۔ یہ مشین ہموار کاغذ کی بجائے سلنڈر

نما فرمے کے ذریعے کام کو مزید آسان اور تیز بناتی ہے اور تھوڑی دیر میں ہزاروں نہیں لاکھوں اخبارات چھاپ سکتی ہے۔ اس مشین میں چھاپنے کے ساتھ ساتھ کاٹنے، تہہ کرنے اور بنڈل بنانے کی سہولت بھی موجود ہے۔ گردشی سلنڈروں کی مدد سے کم وقت میں زیادہ کام ہو جاتا ہے۔ اخبارات چھاپنے والی مشینوں کا بنیادی ڈیزائن آج تک اسی اصول کے مطابق ہوتا ہے۔

آیووا کے رہنے والے ایک غریب امریکی نوجوان نے کچھ عرصہ فوج میں خدمات انجام دینے کے بعد واشنگٹن آ کر چھپائی کی مشین پر کام شروع کر دیا اور 1809ء میں ایک نئی طرح کا چھاپہ خانہ ایجاد کیا جسے ''مونو ٹائپ'' کہا جاتا ہے۔ یہ ایجاد کتابوں کی چھپائی کے لیے بہترین تھی۔ اس کے دو حصے ہوتے ہیں۔ پہلا کی بورڈ اور دوسرا کاسٹر۔ مونو ٹائپ کی بورڈ میں تقریباً 300 اقسام کے حروف ہوتے ہیں۔

آج کے جدید اور ترقی یافتہ دور میں چھپائی مسئلہ نہیں رہی۔ دوسرے بہت سے شعبوں میں نت نئی ایجادات نے ہر کام کو سہل بنا دیا ہے اور کام کی رفتار بھی تیزی سے بڑھی ہے۔ اسی طرح چھپائی (پرنٹنگ) میں بھی تبدیلیاں اور اضافے کیے گئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ مونو ٹائپ، لینو ٹائپ (Lino Type) روٹری پریس (Rotary Press)، لیٹر پریس (Letter Press) لیتھو گرافی اور فیسی مائل پرنٹنگ (Facisimile Printing)۔ یہ سب چھپائی ہی کے مختلف طریقے ہیں جن کی بدولت پرنٹنگ کا نظام زیادہ مؤثر اور تیز ہوا ہے۔ بیک وقت مختلف شہروں سے ایک ہی اخبار نکالنے کے لیے جو طریقہ کار عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے، اسے ٹیلی ٹائپ سیٹنگ کا نام دیتے ہیں۔

کمپیوٹر کی ایجاد سے چھپائی کے کام میں مزید سہولیات ہو گئی ہیں۔ سی ٹی پی (کمپیوٹر ٹو پلیٹ) نامی طریقہ، اس وقت طباعت (چھپائی) کا جدید ترین طریقہ بھی ہے جس کا انحصار کمپیوٹر کے بہترین استعمال پر ہے۔ اس طریقے کے تحت کسی بھی کتاب، اخبار یا جریدے وغیرہ کی پروف ریڈنگ اور تزئین و آرائش (لے آؤٹ ڈیزائننگ) وغیرہ کا سارا کام کمپیوٹر پر کر لیا جاتا ہے اور پھر صرف ایک کمانڈ دے کر وہ سارے کا سارا مواد، پرنٹنگ کے لیے پلیٹ کی شکل میں تیار ہو جاتا ہے۔

دُنیا ایک عالمگیر قصبے (گلوبل ویلج) کی صورت اختیار کر چکی ہے اور آج کم از کم تکنیکی اعتبار سے، کسی بھی زبان کی کوئی بھی کتاب حاصل کرنا مسئلہ نہیں رہا۔ آج اگر دُنیا میں ہر طرح کے اخبارات، رسائل اور کتب دُنیا کے ہر علاقے میں موجود ہیں تو یہ سب چھپائی کے فن سے وابستہ لوگوں اور سائنس دانوں کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔

## ''کھوج لگایئے'' میں حصہ لینے والے بچوں کے نام

فادیہ سعید، فیصل آباد۔ اشرف تواب، راول پنڈی۔ ولیجہ رضا، لاہور۔ زارا وہاب، اسلام آباد۔ محمد حمزہ مقصود، لاہور۔ محمد احمد رضا انصاری، کوٹ ادو۔ محمد عدنان، کراچی۔ عاصم طفیل، گوجرانوالہ۔ اسامہ زاہد، کراچی۔ علی عمیر ظفر، گوجرانوالہ۔ عثمان نذیر، کراچی۔ محمد حمزہ شاہد، گوجرانوالہ۔ مزمل آصف خان، کراچی۔ مہ رخ ناصر، سرگودھا۔ ولی حسین، حیدرآباد۔ سید اشہد، دریا خان۔ رافع شیخ، کوٹری۔ یشفع یاور، رحیم یار خان۔ طوبیٰ احمد، لاہور۔ محمد ریان طیب، اسلام آباد۔ عبدالکریم رحمانی، گوجرانوالہ۔ محمد نعمان قادری، محمد فریاد علی قادری، محمد حامد رضا قادری، ذیشان اکرم قادری، حسن رضا سردار، کاموں کی۔ نعمان اسلم، منان اسلم، ماہ نور اسلم، انعم اسلم، ثمینہ اسلم، لاہور۔ امامہ ایمن، گوجرانوالہ۔ محمد ساجد، لاہور۔ محمد ابوذر، محمد فرحان، محمد طٰہٰ، محمد معیز، لاہور۔ مریم انصاری، حیدرآباد۔ عمران عظیم، اسلام آباد۔ جنید وسیم، گوجرہ۔ حارث زمان، کرک۔ طلحہ اعجاز، صوابی۔ محمد نعیم امین، لاہور۔ اسماعیل خان، لاہور۔ عروب ملک، لاہور۔ ایمل ایری، گجرات۔ محمد حذیفہ، لاہور۔ سمیعہ زیب، کوہاٹ۔ محمد سلیمان زیب، کوہاٹ۔ حوا ملک، لاہور۔ علینہ حسین، لاہور۔ زینب ناصر، فیصل آباد۔ محمد عمر عطا قادری، نور فاطمہ قادری، اسد عبداللہ قادری، حسیب قادری، دانش رفیق قادری، خدیجہ ذیشان، محمد گوہر دین قادری، علی حمزہ رجب قادری، محمد ذاذان ادریس، عامر منیر قادری، محمد نبیل قادری، کاموں کی۔ محمد فیصل ہزاروی، گوجرانوالہ۔ خرم سیفی، چکوال۔ صوبیہ اسلم، چکسواری۔ محمد مجیر خان، بھکر۔

# ہانڈی کباب

**اجزاء:**

| اجزاء | مقدار | اجزاء | مقدار |
|---|---|---|---|
| گائے بکری کا قیمہ | ایک کلو | بیسن | دو کھانے کے چمچ |
| لال مرچ کٹی ہوئی | آدھا کھانے کا چمچ | کالی مرچ کٹی ہوئی | ایک چائے کا چمچ |
| خشک دودھ | دو کھانے کے چمچ | ڈبل روٹی کے سلائس | دو عدد |
| نمک | حسبِ ذائقہ | ادرک لہسن پسا ہوا | ایک کھانے کا چمچ |
| لیموں | دو عدد | ٹماٹر | آدھا کلو (باریک کاٹ لیں) |
| ہری مرچ | تین ثابت، تین باریک کٹی ہوئی | ہرا دھنیا | ایک گٹھی (باریک کٹا ہوا) |
| پیاز | ایک ڈلی (کچی پیس لیں) | لیموں | تین سے چار عدد |
| تیل | ایک پیالی | انڈا | ایک عدد |

**ترکیب:**

سب سے پہلے قیمے میں سلائس کا درمیانی حصہ، بیسن (ایک کھانے کا چمچ گھی میں بھون لیں) کٹی ہوئی ہری مرچ اور نمک ملا کر چوپر میں پیس لیں۔ ایک انڈا ملا کر اچھی طرح گوندھ کر چھوٹے چھوٹے سیخ کبابوں کی طرح کباب بنا کر ہلکی آنچ پر ڈیپ فرائی کر لیں، جب گولڈن براؤن ہو جائیں تو نکال لیں۔ ایک دیگچی لے لیں یا مٹی کی ہانڈی ہو تو بہت اچھا ہے۔ ہانڈی میں تیل ڈال کر پسی پیاز ڈال کر ہلکی گلابی کر لیں۔ جب گلابی ہو جائے تو ٹماٹر، سرخ مرچ، کالی مرچ، ادرک، لہسن، نمک اور ہری مرچ ڈال کر پکنے دیں۔ جب پانی سوکھنے لگے تو ہلکا سا بھون لیں، پھر تلے ہوئے کباب پھیلا کر ڈال دیں۔ اوپر سے لیموں کا رس اور ہرا دھنیا ڈال کر ہلکی آنچ پر دم پر رکھ دیں۔ دس منٹ بعد مزے دار ہانڈی کباب تیار ہیں۔ گرم گرم نان یا پراٹھوں کے ساتھ پیش کریں۔

# برائی کی موت

انوار آس محمد

بڑی جائیداد تھی۔ گھر میں دولت کی ریل پیل تھی۔ ان کے دو بیٹے اچھے اسکول میں پڑھ رہے تھے۔ زندگی سکون سے گزر رہی تھی لیکن کچھ دنوں سے سیٹھ نیاز بہت پریشان تھے کیوں کہ ان کا کاروبار اچھا نہیں چل رہا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ سیٹھ نیاز کا منرل واٹر کا کاروبار تھا اور جب سے واٹر بورڈ میں ایک ایمان دار افسر آیا تھا، تب سے شہر کے لوگوں کو پینے کا صاف پانی مل رہا تھا جس کے بعد لوگ منرل واٹر زیادہ نہیں خرید رہے تھے۔

سیٹھ نیاز کا ایک دوست مختار تھا۔ وہ ایک دن سیٹھ صاحب سے ملنے آیا۔ سیٹھ نیاز نے باتوں باتوں میں اپنے دوست سے کاروبار کے مندہ ہونے کا ذکر کیا اور کہا کہ اگر صورتِ حال یہی رہی تو میرا تو کاروبار ہی ختم ہو جائے گا۔ پریشانی کے عالم میں سیٹھ نیاز سگریٹ پہ سگریٹ پی رہے تھے۔

”سوچ رہا ہوں کہ اب کوئی اور کاروبار کر لوں لیکن ڈرتا ہوں کہیں نقصان نہ ہو جائے کیوں کہ نیا کاروبار جمانا آسان نہیں

”تم تو بلاوجہ اتنا پریشان ہو رہے ہو یار! کاروبار چلانے کے طریقے ہوتے ہیں۔ میرا کاروبار تو شان دار چل رہا ہے۔“ مختار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں کچھ سمجھا نہیں۔“ سیٹھ نیاز نے کہا۔

”منرل واٹر کا کاروبار تو بہت اچھا بزنس ہے۔ بس تھوڑا دماغ سے کام لینا ہوتا ہے۔“ مختار نے کہنا شروع کیا۔ سیٹھ صاحب اس کی بات غور سے سن رہے تھے۔ ”جب تک لوگوں کے گھروں میں صاف پانی آئے گا، وہ منرل واٹر نہیں خریدیں گے۔“

”تو؟“ سیٹھ صاحب کی دلچسپی بڑھی۔

”یہی طریقے تو تم کو نہیں آتے، تم جن علاقوں میں پانی فروخت کرتے ہو وہاں گھروں میں صاف پانی آتا ہے۔ لوگ پھر کیوں تمہارا پانی خریدیں گے؟ پہلے پانی کو گندہ کرو، پھر دیکھو لوگ کس طرح تمہارا پانی خریدتے ہیں۔“ مختار شیطان کی طرح بول رہا تھا اور سیٹھ نیاز اپنا سر ہلا رہے تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے

کہ مختار کیا کہہ رہا ہے۔

''میں سمجھ گیا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔'' انہوں نے مختار سے کہا۔ یہ سن کر وہ بھی مسکرانے لگا۔

تھوڑے ہی دنوں میں سیٹھ نیاز نے واٹر بورڈ کے بے ایمان لوگوں کو ساتھ ملایا، انہیں رشوت دی اور شہر میں سپلائی ہونے والا پانی بہت سے علاقوں میں بند کروا دیا۔ عوام کی پریشانی کی خبریں ٹی وی اور اخبارات میں آنے لگیں۔ لوگوں کی پریشانی جب بڑھی تو انہوں نے پینے کے لیے منرل واٹر خریدنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سیٹھ نیاز کا کاروبار چل پڑا۔ کچھ وقت یونہی گزرا، پھر ایک دن واٹر بورڈ کے ایک رشوت خور افسر نے سیٹھ نیاز سے کہا۔

''سیٹھ صاحب! لوگوں کے گھروں کا پانی بند کرنا خطرناک ہے، عوام سڑکوں پر آ سکتی ہے، مسئلہ کھڑا ہو سکتا ہے، حکومت ہمیں گرفتار بھی کر سکتی ہے۔''

''تو پھر کیا کیا جائے؟'' سیٹھ نیاز نے پوچھا۔

''ہم یہ کر سکتے ہیں کہ پانی بند کرنے کے بجائے پانی کو گندہ کر دیں۔ اس طرح لوگ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ ہم کہہ دیں گے کہ پانی آلودگی کی وجہ سے گندہ آ رہا ہے۔'' افسر نے مکاری سے کہا۔

سیٹھ نیاز کو ترکیب پسند آئی۔ پھر کیا تھا، منصوبے کے تحت شہر کو پہنچایا جانے والا پانی گندہ کیا جانے لگا۔ کبھی صاف پانی کی لائنوں کو گندے پانی کی لائنوں سے ملا دیا جاتا جس سے پانی بدبودار ہو جاتا تھا اور کبھی پانی میں دوا ملا دی جاتی جس کو پی کر لوگ بیمار پڑ جاتے تھے۔ دوسری طرف سیٹھ نیاز کی دولت بڑھتی جا رہی تھی، ان کا کاروبار خوب چل پڑا تھا۔ دولت کی ہوس نے ان کو اندھا کر دیا تھا۔ وہ لوگوں کی زندگی سے کھیل رہے تھے لیکن ان کو اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ ایک دن ٹی وی پر خبر آ رہی تھی کہ گندہ پانی پینے کی وجہ سے چھوٹے بچے زیادہ بیمار ہو رہے ہیں اور کئی تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ سیٹھ نیاز کی بیوی کلثوم بھی ٹی وی دیکھ رہی تھی اور اس خبر پر بہت دکھی بھی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے ہمارے ملک کو۔'' اس نے دکھ سے کہا تھا۔ سیٹھ نیاز خاموش رہے۔ ''آپ ایسا کریں کہ اپنا پانی سستا کر دیں یا غریب علاقوں میں مفت تقسیم کر دیں تاکہ غریبوں کے بچے تو نہ مریں۔'' کلثوم نے سیٹھ نیاز سے کہا۔

''یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟'' سیٹھ نیاز سیخ پا ہو گئے۔

''اللہ نے آپ کو اتنی دولت دی ہے، کچھ نیکی کے کام بھی کر لیں۔ اللہ آپ سے خوش ہو گا۔'' بیوی نے کہا۔

''یہ نیکی مجھے سڑک پر لے آئے گی۔ بیگم میں ایک کاروباری آدمی ہوں جس کو جان بچانی ہے میری کمپنی کا پانی خرید کر پی لے اور ہاں میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔'' سیٹھ نیاز نے دوٹوک الفاظ میں کہا اور کمرے سے نکل گئے، بیوی ان کا منہ تکتی رہ گئی۔

وقت اسی طرح گزرتا رہا۔ سیٹھ نیاز نے ایک دن اپنے دوست مختار کو بلایا۔ وہ مختار کو بہت پسند کرتے تھے اور اب ایک اور نیا کاروبار شروع کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے مختار سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا تھا اور فون کر کے مختار کو بلا لیا۔ سلام دعا کے بعد مختار نے پوچھا۔ ''اور سنائیے کاروبار کیسا چل رہا ہے؟''

''بہت خوب بھئی، بہت خوب! تمہارے مشورے نے تو کمال کر دیا۔'' سیٹھ نیاز نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب میں ایک اور کاروبار شروع کرنا چاہتا ہوں کچھ مشورہ دو کون سا کام زیادہ فائدے مند رہے گا۔''

''اوہ! تو یہ بات ہے۔'' مختار گویا ہوا۔ ''یار کاروبار تو بہت سے ہیں لیکن میرا مشورہ ہے کہ دوا بنانے کی فیکٹری لگائی جائے، اس میں بہت فائدہ ہے۔ زیادہ تر گولیاں سفید ہی ہوتی ہیں، اگر ملاوٹ کر کے نقلی گولیاں اور انجکشن بھی بنائے جائیں گے تو کام خوب چلے گا۔''

''بہت خوب یار! خیال بُرا نہیں ہے۔'' سیٹھ نیاز نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''میرے دو چار دوست یہ کام کر رہے ہیں اور لاکھوں روپے کما رہے ہیں۔'' مختار نے کہا۔ سیٹھ نیاز کو مختار کا مشورہ پسند آیا اور وہ سوچنے لگے کہ یہ کام بھی شروع کر کے دیکھنا چاہیے۔

ٹرن ٹرن ٹرن...... یکایک آفس کے فون کی گھنٹی بجی۔ سیٹھ نیاز نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا اور ان پر قیامت برپا ہو گئی۔ دوسری طرف سے صرف اتنا کہا گیا کہ آپ کے بیٹے کی طبیعت خراب ہے اور وہ فلاں اسپتال میں ہے۔ سیٹھ نیاز، مختار کے ساتھ میٹنگ ختم کر

کے فوراً اسپتال پہنچے، ان کی بیوی وہاں پہلے سے موجود تھی۔

"کیا ہوا قاسم کو؟" سیٹھ نیاز نے پوچھا۔ وہ حواس باختہ ہو رہے تھے۔ وہ اپنے بیٹے کے سرہانے کھڑے اسے پریشانی اور فکر سے دیکھ رہے تھے۔

"آپ کے بیٹے نے گندہ پانی پی لیا ہے۔" ڈاکٹر نے صرف اتنا کہا۔

"کک..... کک..... کیا؟" سیٹھ نیاز کے منہ سے نکلا۔ اب ان کا سر چکرا گیا جب کہ ان کا بیٹا الٹیاں کر رہا تھا اور اس کی حالت سنبھلنے میں نہیں آ رہی تھی۔

"ڈاکٹر صاحب! کچھ کر کے میرے بیٹے کو بچا لیں۔" سیٹھ نیاز گڑگڑا رہے تھے۔

"میں آپ کے بیٹے کو انجکشن لگا چکا ہوں لیکن کوئی اثر نہیں ہوا۔ لگتا ہے انجکشن نقلی تھا۔" ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ یہ سن کر تو سیٹھ نیاز کے اوسان خطا ہو گئے۔ ان کے بیٹے کی حالت نہ سنبھلی تو اسے آپریشن تھیٹر لے جایا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ اب دوا سے زیادہ دعا کی ضرورت ہے۔ بچے کے جسم سے پانی بہت نکل چکا ہے اور گندے پانی کا اثر پورے جسم میں پھیل چکا ہے۔ سیٹھ نیاز کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ یہ سب ان کے کیے دھرے کی سزا ہے۔ انہوں نے اپنی بیوی کو بھی بتا دیا کہ وہ کس طرح اپنا کاروبار چلا رہے تھے۔

"واقعی یہ آپ کے کیے کی سزا آپ کو اس طرح مل رہی ہے۔" کلثوم نے روتے ہوئے کہا۔ سیٹھ نیاز دل ہی دل میں اللہ سے اپنے کیے کی معافی مانگ رہے تھے۔ انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس طرح اللہ ان کی پکڑ کرے گا اور ان کا کیا دھرا ان کے بیٹے پر پڑے گا۔ شہر کا پانی وہ ہی گندہ کرواتے تھے اور وہی پانی ان کے بیٹے نے ایک ہوٹل سے پی لیا تھا۔ سیٹھ نیاز ندامت سے زمین میں گڑے جا رہے تھے۔ وہ تہیہ کر چکے تھے کہ اب کام ایمان داری سے کریں گے۔ وہ اسپتال میں اللہ سے خوب دعا مانگ رہے تھے۔ دو گھنٹے سے ان کا بیٹا زندگی اور موت کی کشمکش میں تھا۔ ایک ایک منٹ سیٹھ نیاز پر ایک ایک سال کی طرح بیت رہا تھا۔ آخر کار ایمرجنسی وارڈ کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر نے سیٹھ نیاز کو بچے کی صحت کے بحال ہونے کی خوشخبری سنائی۔ اب ان کا بیٹا خطرے سے باہر تھا۔ شاید اللہ نے سیٹھ نیاز کی دعا سن لی تھی یا پھر یہ ان کی نیک بیوی کلثوم کی دعا کا اثر تھا۔ اللہ تعالیٰ ایک ماں کی دعا ضرور سنتا اور قبول کرتا ہے۔ سیٹھ نیاز کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مرجھائے ہوئے چہرے کھل اٹھے تھے۔

اس واقعے کے بعد سیٹھ نیاز نے بے ایمانی کا دھندہ چھوڑ دیا اور غلط طریقے سے کمائی ہوئی دولت انہوں نے غریبوں میں اس طرح بانٹی کہ غریب لوگوں کو پانی مفت تقسیم کرنے لگے۔ یہی اس دولت کا مصرف ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

سلسلہ وار ناول **دولت پور میں**

دوسری قسط

عزیز اثری

# جعفر کی شرارت

طارق کی ماں اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، ویسے ویسے طارق کی ماں کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ طارق کہاں چلا گیا۔ وہ تو اتنا جانتی تھی کہ طارق جب اس کی ٹانگیں اور بازو دبا رہا تھا تو دروازے پر ایک اندھا فقیر آیا تھا اور طارق اسے راستہ دکھانے کے لیے اس کے ساتھ چلا گیا تھا لیکن طارق اب تک کیوں نہیں آیا؟

باہر کا دروازہ ابھی تک کھلا تھا۔ طارق کی ماں چارپائی سے اُٹھ کر کئی بار دروازے پر آئی اور باہر دیکھتی رہی لیکن طارق دکھائی نہ دیا۔ سڑک پر بجلی کے کھمبے لگے تھے اور ان میں بلب روشن تھے۔ سڑک پر بلبوں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن طارق کی ماں کے دل میں اندھیرا تھا۔ طارق...... اس کا بیٹا، اس کی آنکھوں کا نور تھا اور یہ نور نہ جانے کہاں چھپ گیا تھا۔

طارق کی ماں بہت دیر تک دروازے میں بیٹھی اپنے بیٹے کا انتظار کرتی رہی۔ وہ دن بھر کوٹھی میں کام کر کے تھکی ہوئی تھی اور اب تک سو جایا کرتی تھی لیکن آج نیند کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ طارق کی ماں دروازہ کھول کر بہت دیر تک بیٹھی رہی۔ اس کے بعد وہ اندر آئی۔ ایک موٹی چادر لپیٹے باہر کا دروازہ بند کیا اور کوٹھی کی طرف جانے لگی۔ اس نے سوچا کہ مالکن کے پاس جا کر اسے طارق کے متعلق بتاؤں گی اور مالکن یعنی فریدہ کی ماں اپنے نوکر کو بھیج کر میرے بیٹے کا پتا کرائے گی۔

یہ سوچ کر وہ جلدی جلدی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ اچانک وہ رک گئی۔ اس نے سوچا۔ میں تو کوٹھی میں جا رہی ہوں اور میرا بیٹا اگر آ گیا تو وہ مجھے گھر میں نہ پا کر پریشان ہو گا۔ یہ خیال آتے ہی طارق کی ماں واپس جانے لگی۔

کوٹھڑی میں جا کر طارق کی ماں نے مصلیٰ بچھا لیا، وضو کر کے نماز پڑھی اور نماز کے بعد دعا مانگنے لگی۔ ''یا اللہ میرے بیٹے کو خیریت سے رکھنا۔ یا پروردگار میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ یا اللہ تو ہی میرے یتیم بیٹے کی حفاظت کرنے والا ہے۔ میرے بیٹے کو واپس لے آ۔ میرے اللہ! اپنے محبوب کے صدقے میں مجھے میرے بیٹے سے ملا دے۔ میں اور تجھ سے کچھ نہیں مانگتی، میرے مالک! صرف اپنے پیارے بیٹے کو تجھ سے مانگتی ہوں۔ ماں کی آنکھوں سے آنسو چھم چھم برس رہے تھے۔ اس کا محبت بھرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

ماں اپنی میلی جھولی پھیلا پھیلا کر خدا سے اپنا بیٹا مانگ رہی تھی۔ ابھی اس کے آنسو خشک بھی نہیں ہوئے تھے کہ دروازے پر آہٹ ہوئی اور...... ایک دم ماں مصلے سے اٹھ کر اپنے بیٹے سے لپٹ گئی۔ طارق ماں کی گود میں تھا اور ماں اپنے محبت بھرے سینے سے بیٹے کو

چمٹا کر اس کا منہ، سر اور ہاتھ چوم رہی تھی۔ پھر لیمپ کی مدھم روشنی میں ماں نے دیکھا کہ اس کے بیٹے کے بازو اور ٹانگیں زخمی ہیں اور سر پر کپڑا بندھا ہے جو خون سے تر ہے۔ یہ دیکھتے ہی ماں کے دل پر سخت چوٹ لگی۔

''بیٹا! یہ کیا ہوا؟''

''ماں...... ماں......'' طارق نے جواب دینے کی کوشش کی لیکن آواز اس کے گلے میں پھنس کر رہ گئی۔

''کیا ہوا...... میرے لال؟'' گھبرائی ہوئی ماں نے پوچھا۔

طارق زخمی تھا۔ وہ بہت تھکا ہوا بھی تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ ماں کو کچھ بتائے لیکن بتا نہ سکا۔ ماں نے بیٹے کو چارپائی پر لٹا دیا۔ غریب ماں کے پاس نہ تو زخموں پر لگانے کے لیے سپرٹ تھی، نہ ڈیٹول یا آیوڈین۔ وہ جلدی سے چولہے کے پاس گئی۔ وہاں سے کچھ راکھ لا کر اپنے بیٹے کے زخموں پر رکھنے لگی۔ زخموں پر راکھ لگنے سے طارق کو بہت تکلیف ہوئی لیکن وہ اپنی تکلیف کو پی گیا۔ اس نے سوچا مجھے تکلیف میں دیکھ کر ماں اور بھی تڑپے گی۔

اس رات نہ ماں سو سکی نہ بیٹا۔ بیٹا اپنے زخموں کی وجہ سے اور ماں اپنے بیٹے کی تکلیف کی وجہ سے۔ اس رات طارق نے بتایا۔

''ماں! مجھے جو اندھا فقیر یہاں سے لے گیا تھا، وہ نقلی اندھا تھا۔ سڑک کے اس طرف ایک اور آدمی کھڑا تھا۔ دونوں نے میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیے۔ منہ میں کپڑا دے دیا اور مجھے ایک موٹر میں ڈال کر لے گئے۔ شہر سے باہر ایک پہاڑی پر لے جا کر مجھے مارنے لگے۔ ان میں ایک موٹا آدمی تھا۔ اس نے دوسرے سے کہا۔ ''ہم اسے نہیں مارتے، یہ غریب اور یتیم لڑکا ہے۔'' دوسرا آدمی موٹے سے لڑ پڑا۔ میں رسیوں کو توڑنے کی کوشش کرتا کرتا پہاڑی سے نیچے گر گیا۔ معلوم نہیں کتنی دیر تک وہاں بے ہوش پڑا رہا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ ایک لیمپ پاس پڑا ہے اور ایک آدمی میرے سر پر کپڑا باندھ رہا ہے۔ اس نے مجھے گرم دودھ پلایا اور کہا کہ رات میرے پاس رہو۔ صبح چلے جانا۔ میں نے کہا۔ ''میری ماں میرے لیے پریشان ہوگی۔'' وہ آدمی کچھ دور تک میرے ساتھ آیا اور مجھے راستے پر ڈال کر واپس چلا گیا۔

ماں نے رحم دل آدمی اور موٹے دونوں کو بہت دعائیں دیں، اس نے طارق کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ طارق کو کچھ آرام محسوس ہوا۔ وہ سو گیا لیکن ماں نہیں سوئی۔ اس کی آنکھوں سے نیند اڑ چکی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی، میرے بیٹے کو وہ آدمی کیوں اٹھا کر لے گئے اور موٹر میں ڈال کر پہاڑی پر لے جا کر کیوں...... اس سے آگے ماں نہ سوچ سکی۔ اس کا ممتا بھرا دل زخمی ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے بیٹے کے سارے زخم، ماں کے سینے پر لگے ہیں۔ ماں تڑپ رہی تھی۔ وہ بڑبڑانے لگی۔

''میرے اللہ! ہم نے کبھی کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ کسی سے برائی نہیں کی۔ پھر ہم سے کس بات کا بدلہ لیا گیا ہے؟ میرے بیٹے نے تو کسی چڑیا تک کو نہیں ستایا۔ وہ اتنا نیک اور رحم سے بھرا دل رکھتا ہے۔ اس کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں۔ نہ اس کے باپ ہی نے کبھی کسی کو تنگ کیا تھا۔ وہ تو بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلایا کرتا تھا۔ پھر میرے مولا! یہ تو نے کس بات کی سزا دی ہے میرے معصوم بچے کو، ہم نے کیا قصور کیا ہے۔ کیا میرے بیٹے کا یہ قصور ہے کہ وہ یتیم بچہ ہے۔ ایک غریب ماں کا بیٹا ہے۔''

صبح سویرے جب سڑک کے اس طرف اذان ہوئی تو ماں ویسے ہی اپنے بیٹے کا سر گود میں لیے بیٹھی تھی۔ طارق کروٹ لینے لگا تو اسے ٹانگ میں بڑی تکلیف ہوئی۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ ماں کو اسی حالت میں بیٹھا دیکھ کر طارق نے کہا۔

''ماں! آپ سوئی نہیں؟''

''سو رہی تھی بیٹا...... ابھی اٹھی ہوں۔'' ماں نے بیٹے کا دل رکھنے کے لیے کہا۔

''نہیں، آپ بالکل نہیں سوئیں......'' طارق کراہتے ہوئے بولا۔ ''میں کتنا بدقسمت ہوں ماں! مجھے تو آپ کی خدمت کرنی چاہیے تھی۔ الٹا آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔''

''نہیں بیٹا......'' ماں نے جھک کر اپنے بیٹے کا ماتھا چوم لیا۔ پھر بولی۔

''یہ تو بتاؤ وہ آدمی جو تمہیں لے گئے تھے، کچھ باتیں بھی کر رہے تھے؟'' طارق دیر تک سوچتا رہا پھر اسے کچھ یاد آ گیا۔ وہ بولا۔

''ہاں یاد آ گیا...... موٹا دوسرے آدمی سے کہہ رہا تھا، جعفر کا باپ امیر آدمی ہے، ہم اس کے کہنے سے اس یتیم کو کیوں ماریں۔ امیر آدمی دولت کے لیے لڑتے ہیں......''

''جعفر کا باپ؟'' ماں نے طارق سے پوچھا۔ ''جعفر کون ہے؟''

''وہ ہمارے ساتھ پڑھتا ہے۔ وہ فریدہ کے چچا کا بیٹا ہے۔''

''فریدہ کے چچا کا...... فریدہ کا چچا......'' ماں بڑبڑائی۔

اس کوٹھڑی میں کوئی کھڑکی نہ تھی۔ ایک روشن دان ضرور تھا۔ اب روشن دان سے صبح کی روشنی کمرے میں جھانک رہی تھی۔ اس روشنی

میں طارق ماں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ماں کے چہرے پر پریشانی چھائی ہوئی ہے اور پھر ایک دم پریشانی کے ساتھ ڈر کا سایہ سا آ گیا ہے۔ اس کی ماں نے کچھ سوچ لیا تھا۔ اس کا دل خوف کے مارے زور سے دھڑکا اور وہ بیٹے پر جھک کر اس سے لپٹتے ہوئے چلائی۔

''بیٹے! تمہیں دشمنوں نے گھیر لیا ہے...... تم خطرے کے منہ میں ہو...... میرے لال!''

فریدہ کل شام کو اپنے ابا کے ساتھ جعفر کے گھر گئی ہوئی تھی۔ آج صبح وہیں سے تیار ہو کر اسکول چلی گئی۔ آج جعفر اس کے ساتھ تھا۔ جعفر بہت خوش تھا وہ فریدہ کو بار بار اپنی بہادری کے قصے سنا رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''میں نے اپنی بندوق سے تین چڑیاں، ایک گلہری اور چھ چوہے مارے تھے۔'' فریدہ کو چوہے مارنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ جعفر کی باتیں سن کر ''ہاں، ہوں'' کر رہی تھی۔ فریدہ کا دل اداس تھا۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ اپنے گھر ہوتی تو ہر روز کی طرح آج بھی طارق کے ساتھ اسکول جاتی۔

''فریدہ! کیا سوچ رہی ہو؟'' جعفر نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' فریدہ نے جواب دیا اور جعفر پھر کہنے لگا۔

''میں نے ایک دفعہ ایک چھپکلی کا شکار کیا تھا۔ اس کی دم کٹ گئی۔ چھپکلی بھاگ گئی اور اس کی دم زور زور سے ہلنے لگی۔ بڑا مزہ آیا۔'' یہ کہہ کر جعفر ہنسنے لگا۔ فریدہ چپ بیٹھی رہی۔ جعفر نے پھر اس کی طرف دیکھا اور زیادہ زور سے ہنسا پھر بولا۔

''تمہیں مزہ نہیں آیا؟''

''کس بات کا؟'' فریدہ نے پوچھا۔

''چھپکلی کی دم کٹنے کا۔'' فریدہ کو یہ باتیں بری لگ رہی تھیں۔ وہ جل کر بولی۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں چھپکلی کھانے کا مزہ آیا ہوگا؟''

''ہونہہ۔ میں کیوں کھاؤں چھپکلی۔'' جعفر نے جلدی سے کہا۔

''میں تو انھیں شکار کرتا ہوں اور چوہوں کو بھی۔''

''چوہوں کو بھی؟ فریدہ ہنس کر بولی اور جعفر چڑ گیا۔

اب جعفر کی کار اسکول کے بڑے پھاٹک پر پہنچ گئی تھی۔ ڈرائیور کار سے نکلا۔ دروازہ کھولا اور جعفر اور فریدہ باہر نکلے۔ ڈرائیور نے کار موڑ لی اور واپس چلا گیا۔ جعفر اسکول میں داخل ہو گیا لیکن فریدہ باہر ہی کھڑی رہی۔ وہ اسکول میں آنے والے بچوں کو دیکھ رہی تھی۔ جعفر نے مڑ کر دیکھا اور بولا۔ ''چلو فریدہ یہاں کیوں کھڑی ہو؟''

''تم چلو...... میں آ جاؤں گی۔'' فریدہ نے جواب دیا۔ جعفر فریدہ کے پاس آ گیا اور بولا۔ ''کس کا انتظار کر رہی ہو...... ہوں! میں سمجھ گیا۔'' یہ کہہ کر جعفر نے قہقہہ لگایا۔

''ہنسی کس بات پر آ رہی ہے؟'' فریدہ غصے سے بولی۔

''اس بات پر...... کہ...... میں جانتا ہوں تم کس کا انتظار کر رہی ہو۔''

فریدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اسکول کے پھاٹک سے گزرنے والے ہر بچے کو دیکھ رہی تھی لیکن طارق نظر نہیں آیا۔ فریدہ نے سوچا شاید وہ مجھ سے پہلے آ گیا ہوگا اور جماعت کے کمرے میں میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ یہ سوچ کر فریدہ پھاٹک کے اندر آئی اور جلدی جلدی کمرے کی طرف جانے لگی۔

''ارے اتنی تیز کیوں ہو گئی ہو۔'' جعفر نے فریدہ کا بازو پکڑ کر کہا۔ ''پہلے تو وہاں سے ہلتی ہی نہیں تھیں۔ اور اب بھاگی جا رہی ہو۔'' فریدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے جعفر کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑایا اور پہلے سے بھی تیز چلنے لگی۔

جماعت کے کمرے میں بہت سے بچے جمع تھے لیکن ان میں طارق نہیں تھا۔ فریدہ کافی اداس ہو گئی۔ ایک لڑکی نے جو طارق کے ساتھ والے ڈیسک پر بیٹھتی تھی، فریدہ سے پوچھا۔

''آج طارق نہیں آیا؟'' ایک اور لڑکی بولی۔

''تم اکیلی آئی ہو فریدہ!''

''فریدہ میرے ساتھ آئی ہے۔'' جعفر نے زور سے کہا۔

اسکول لگنے کی گھنٹی بج گئی۔ سب بچے اسکول کے بڑے لان میں جمع ہونے لگے۔

''طارق ابھی تک نہیں آیا۔'' فریدہ نے اپنے آپ سے کہا۔ وہ تو کبھی دیر سے نہیں آتا۔ وہ ضرور میرا انتظار کر رہا ہوگا لیکن اس کی امی نے بتا تو دیا ہوگا کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔ جعفر کے گھر گئی ہوئی ہوں۔ طارق کو تو آ جانا چاہیے تھا۔''

دعا ختم ہو گئی۔ بچے قطاروں میں اپنی اپنی جماعتوں میں آ گئے۔ طارق کی سیٹ خالی پڑی تھی۔ طارق نہیں آیا۔ فریدہ اور بھی اداس ہو گئی۔

''بھئی طارق کہاں ہے؟'' ایک لڑکے نے خالی جگہ دیکھ کر کہا۔

اس وقت اُردو کا پیریڈ تھا۔ اُردو کی استانی صاحبہ نہیں آئی تھیں۔ کچھ شریر بچے موقع پا کر شرارتیں کرنے لگے۔ ایک بچہ ساتھ والے کمرے سے ایک کرسی اٹھا لایا اور اسے کمرے کے درمیان رکھ کر بولا۔

''ہماری جماعت میں جو بچہ سب سے زیادہ بہادر ہے، اسے اس

کرسی پر بٹھایا جائے گا۔"

"ہے کوئی بہادر؟" ایک اور لڑکے نے کہا۔

"میں بہادر ہوں۔" جعفر ایک دم بولا۔

"تم کیسے بہادر ہو؟" کئی آوازیں آئیں۔

"میں گلہری، چوہے اور چھپکلی کا شکار کرتا ہوں۔"

"ہاں! ہاں ٹھیک ہے۔ آؤ اس کرسی پر تشریف رکھو۔" شریر لڑکے نے کہا۔

جعفر جلدی سے اٹھا، اکڑتا ہوا کرسی کی طرف گیا اور اس پر بیٹھا ہی تھا کہ دھڑام سے فرش پر گرا۔ جعفر نیچے اور کرسی اوپر۔ ساری جماعت میں قہقہے گونجے۔ جعفر کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا اور شریر لڑکے کو برا بھلا کہنے لگا۔ پھر بولا۔

"آج چھٹی کے وقت باہر نکلو گے تو تمہاری پٹائی کروں گا۔"

"تم کیا پٹائی کرو گے۔" وہ لڑکا بولا۔ "تم تو خود طارق سے پٹ گئے تھے۔"

"آنے دو طارق کو، تمہاری اکڑ نکال دے گا۔" ایک اور لڑکا بولا۔

"طارق اب نہیں آئے گا۔" جعفر زور سے بولا۔

"کیوں؟" کئی آوازیں آئیں۔

"طارق اب نہیں آئے گا۔ کبھی نہیں آئے گا۔" جعفر نے زیادہ زور سے کہا۔

"کیوں نہیں آئے گا؟" فریدہ چلا کر بولی۔

"اس لیے کہ......" جعفر کچھ سوچ کر بولا۔ "وہ نہیں آ سکتا۔ وہ اس جگہ پہنچ گیا ہے جہاں سے کبھی نہیں آئے گا۔" جعفر نے اتنا ہی کہا تھا کہ طارق جماعت کے کمرے میں داخل ہوا۔

طارق کے آنے پر بچے خوش بھی ہوئے اور حیران بھی۔ خوش تو وہ اس لیے تھے کہ طارق آ گیا تھا اور حیران اس لیے کہ آج وہ دیر سے اسکول آیا تھا۔ بچے اس لیے بھی حیران تھے کہ طارق کے سر اور بازوؤں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا طارق؟" فریدہ نے جلدی سے پوچھا۔ وہ طارق کی پٹیاں دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔

"طارق تو زخمی ہو گیا ہے۔" فریدہ کے ساتھ والے کمرے میں ڈیسک پر بیٹھی ہوئی لڑکی نے کہا۔

اور لڑکے بھی طارق سے پوچھنے لگے۔ شرارتی لڑکا، جس نے جعفر کو کرسی سے گرایا تھا، بولا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ طارق اور جعفر کی لڑائی ہوئی ہے اور جعفر نے بے چارے کو زخمی کر دیا ہے۔"

"جعفر بڑا ہیرو ہے۔" ایک چھوٹا سا لڑکا بولا۔

"جعفر چوہے اور چھپکلیاں مارتا ہے۔" ایک لڑکی کی آواز آئی۔

"جعفر بڑا بہادر ہے۔" ایک اور لڑکے نے کہا اور ساری جماعت ہنسنے لگی۔

"کیوں بھئی جعفر! تم نے کی ہے نا طارق کی پٹائی؟"

جعفر خاموش بیٹھا تھا۔ وہ ایک نظر طارق کی طرف دیکھتا اور پھر نظریں جھکا کر کتاب کے ورق الٹنے لگتا۔ وہ بہت حیران تھا کہ یہ کیا بات ہے۔ وہ دل میں کہہ رہا تھا۔

"میرے ڈیڈی نے تو کہا تھا کہ اب طارق واپس نہیں آئے گا۔ نہ اسکول میں اور نہ اپنے گھر میں لیکن یہ کم بخت پھر آ گیا ہے۔ میں ابھی ڈیڈی کو فون کرتا ہوں۔"

یہ سوچ کر جعفر نے پھر طارق کی طرف دیکھا۔ طارق اپنے ڈیسک پر بیٹھ کر بستہ کھول رہا تھا۔ اس نے بستے میں سے اردو کی کتاب نکالی اور کل والا سبق یاد کرنے لگا۔

"مجھے ابھی فون کرنا چاہیے۔" جعفر نے سوچا۔ "ڈیڈی کو فوراً

اطلاع دینی چاہیے۔" جعفر نے اپنے دل میں کہا اور جلدی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"ہیرو صاحب کہاں جا رہے ہیں؟" شرارتی لڑکا زور سے بولا۔

جعفر کمرے سے باہر نکلا ہی تھا کہ سامنے سے استانی صاحبہ آ گئیں۔ جعفر کو اُردو بہت کم آتی تھی، اس لیے وہ اُردو کی استانی سے ڈرتا تھا۔ وہ واپس کمرے میں آیا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

استانی جماعت میں آئیں۔ بچے کھڑے ہو گئے۔ استانی نے مسکرا کر سب کی طرف دیکھا۔ انہیں بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس وقت ان کی نظر طارق پر پڑی۔ استانی جلدی سے بولیں۔

"طارق! کیا ہوا؟"

"جی! وہ......" طارق نے بولنے کی کوشش کی لیکن بول نہ سکا۔

اس کے سر اور بازو میں بہت درد ہو رہا تھا۔ طارق کا چہرہ پیلا ہو رہا تھا۔ استانی سمجھ گئیں کہ طارق تکلیف میں ہے۔ استانی کو بچوں سے بڑی محبت تھی۔ خاص طور پر اچھے بچوں سے۔ طارق پڑھائی میں بہت ہوشیار تھا اور ویسے بھی بڑا نیک اور شریف لڑکا تھا۔ استانی نے جب طارق کو تکلیف میں دیکھا تو وہ پریشان ہو گئیں۔ طارق کو اپنے پاس بلایا اور اس کے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بتاؤ بیٹے کیا ہوا، کہیں سے گر گئے تھے؟"

"جی ہاں۔" طارق نے جھوٹ بولا۔

"تو تم آج چھٹی لے کر آرام کرو۔ تمہیں اسکول نہیں آنا چاہیے تھا۔ چھٹی کی درخواست بھیج دیتے۔"

"نہیں مس صاحبہ! میں ٹھیک ہوں۔"

استانی نے پھر اسے چھٹی لینے کو کہا لیکن طارق نہیں مانا۔ وہ واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔

طارق چھٹی لینا نہیں چاہتا تھا۔ ماں نے بھی اسے گھر پر روکنے کی کوشش کی تھی لیکن طارق نے کہا تھا۔

"ماں! گھر پر میرا دل نہیں لگتا۔ میں جب تک اسکول سے پڑھ کر نہیں آؤں گا، مجھے چین نہیں آئے گا۔"

طارق اُردو کی کتاب کے ورق الٹنے لگا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ اس نے سوچا۔ میں نے آج زندگی میں پہلا جھوٹ بولا ہے اور وہ بھی اپنی استانی صاحبہ کے سامنے۔ یہ کتنی بُری بات ہے لیکن میں کیا کروں۔ ماں نے مجھے منع کر دیا ہے کہ کسی کو اصلی بات نہ بتانا۔ ماں نے اچھی طرح سمجھایا ہے۔ اگر میں نے کسی کو سچ سچ بتا دیا تو جعفر کا باپ میرا اور بھی دشمن ہو جائے گا۔

طارق نے سوچا، ماں نے تو ٹھیک ہی کہا تھا لیکن میں نے کیا قصور کیا ہے۔ میں نے جعفر کے باپ کا کیا بگاڑا ہے۔ مجھے فریدہ کے ابا خود ہی فریدہ کے ساتھ کھیلنے اور پڑھنے کے لیے کہتے ہیں۔ پھر جعفر اور اس کے ابا میرے دشمن کیوں ہو گئے ہیں؟

چھٹی ہوئی تو سب بچے اسکول سے نکلے۔ فریدہ نے طارق کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔

"اب مجھے بتاؤ طارق کہاں سے گر گئے تھے؟"

"دیوار پر سے۔" طارق نے فریدہ سے بھی جھوٹ بولا۔

"کون سی دیوار پر سے؟" فریدہ نے پھر پوچھا۔

طارق کوئی جواب نہ دے سکا۔ وہ گھبرا گیا۔ بولا۔

"فریدہ! میں پھر کبھی بتاؤں گا۔ میرے سر میں سخت درد ہو رہا ہے۔"

"چلو راستے میں ڈاکٹر کو دکھا لیتے ہیں۔" فریدہ نے کہا۔

"نہیں، میں...... میں...... بالکل ٹھیک ہوں۔"

"نہیں طارق، تم بیمار ہو۔ تمہیں چوٹیں لگی ہیں۔"

"میں ڈاکٹر کو نہیں دکھاؤں گا۔" طارق نے پھر کہا۔

"اچھا نہیں دکھاتے ڈاکٹر کو۔ چلو تم گاڑی میں لیٹ جانا۔ میں تمہارا سر دبا دوں گی۔" فریدہ نے بڑے پیار سے کہا۔

"میں...... تمہاری گاڑی میں...... نہیں جاؤں گا۔" طارق نے بڑی مشکل سے کہا۔

طارق کی اس بات پر فریدہ جیسے سن سی ہو گئی۔ اس کے قدم زمین میں گڑ گئے۔ اس کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا۔ وہ صرف طارق کو دیکھتی رہی۔

طارق کی اپنی حالت خراب تھی۔ ایک تو اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ دوسرے آج پہلی بار اس نے فریدہ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا لیکن وہ مجبور تھا۔ ماں نے یہ بھی کہا تھا کہ بیٹا غریب آدمی کو امیر سے دوستی نہیں رکھنی چاہیے۔ فریدہ کا چچا تمہارا دشمن بن گیا ہے۔ صرف اس لیے کہ تم فریدہ کے ساتھ کھیلتے اور پڑھتے ہو۔ فریدہ سے دُور رہنے کی کوشش کرو بیٹا۔

طارق کو اچھی طرح یاد تھا کہ ماں نے رو رو کر طارق سے یہ باتیں کہی تھیں۔ فریدہ سے الگ رہنے کی بات کرتے ہوئے طارق کی ماں کو بھی بہت دکھ ہوا تھا۔ اسی لیے وہ رو رہی تھیں لیکن ماں کو اپنے بیٹے کی جان ہر چیز سے زیادہ پیاری تھی۔ طارق نے سوچا۔ ماں نے مجھے بچانے کے لیے یہ باتیں کہی ہیں۔ میں ماں کا کہنا ہر حال میں

مانوں گا۔ میں ماں کے ہر حکم پر اپنی جان تک قربان کر دوں گا۔

فریدہ اور طارق اسکول کے پھاٹک پر آ گئے تھے۔ سامنے فریدہ کی گاڑی کھڑی تھی۔ فریدہ نے ابھی تک طارق کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ طارق نے جب اس کی گاڑی میں بیٹھنے سے انکار کیا تو فریدہ نے طارق کا ہاتھ زیادہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پھر وہ آہستہ سے بولی۔

''طارق! اگر تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گے تو میں بھی گاڑی میں نہیں جاؤں گی۔''

''پھر کیسے جاؤ گی؟'' طارق نے پوچھا۔

''جیسے تم جاؤ گے...... پیدل۔''

اب طارق کے قدم رک گئے۔ فریدہ کی بات سن کر طارق کا دل دھڑکنے لگا۔ میری خاطر وہ پیدل چلنے کے لیے بھی تیار ہے لیکن ماں کا حکم ہے۔ میں کیا کروں...... میں کیا کروں۔ طارق نے اپنے دل میں کہا۔ پھر اس نے فیصلہ کر لیا اور بولا۔

''تم گاڑی میں جاؤ فریدہ۔ میں تمہارے ساتھ......'' فریدہ طارق کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔

''میں سمجھ گئی تھی اور صبح کو وہیں سے سیدھی آ گئی اور تمہیں اپنے ساتھ نہ لائی۔ یہی بات ہے نا۔''

''نہیں فریدہ! جعفر تمہارا بھائی ہے۔ میں تمہارا کیا لگتا ہوں۔''

''تم...... تم......'' فریدہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا جواب دے۔

طارق نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور بھاگ کر بچوں کی بھیڑ میں گم ہو گیا۔ فریدہ طارق کو زور زور سے پکارتی رہی اور پھر اپنی گاڑی کے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

فریدہ گھر پہنچی تو اس کی امی فریدہ کے لیے پھل اور دودھ کا گلاس لے آئیں۔ فریدہ اسکول سے واپس آ کر کھانا نہیں کھاتی تھی۔ اس لیے اس کی امی اسے کچھ پھل کھلا کر دودھ پلاتی تھیں۔ آج جب امی فریدہ کے کمرے میں آئیں تو فریدہ کو اداس دیکھ کر بولیں۔

''کیا ہوا بیٹی؟''

''کچھ نہیں۔'' فریدہ نے جواب دیا۔

امی نے ٹرے تپائی پر رکھ دی اور فریدہ کے پاس پلنگ پر بیٹھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔ پھر بولیں۔

''فریدہ میری جان! کیا بات ہے؟''

''طارق کی امی کہاں ہیں؟'' فریدہ نے پوچھا۔

''وہ باورچی خانے میں کام کر رہی ہیں۔'' امی نے جواب دیا۔

''طارق کی امی میرے لیے دودھ کیوں نہیں لائیں؟'' فریدہ نے پوچھا۔

''وہ لا رہی تھیں......'' امی نے بتایا۔ ''لیکن میں نے کہا تم کام کرو۔ میں خود اپنی بیٹی کے لیے دودھ لے جاتی ہوں۔''

''طارق کی امی بھی مجھ سے ناراض ہیں؟'' فریدہ نے سوال کیا۔

''کیوں بیٹی! وہ کیوں ناراض ہونے لگیں تم سے۔''

''طارق جو مجھ سے ناراض ہے۔ اس نے مجھ سے بات نہیں کی۔ میرے ساتھ گھر آنے سے انکار کر دیا۔'' یہ کہہ کر فریدہ پھر رونے لگی۔ امی نے فریدہ کو پیار کیا اور کہا۔

''میں طارق سے پوچھوں گی کہ وہ تم سے کیوں ناراض ہے۔''

اتنے میں فریدہ کے ابا جان دکان سے واپس آ گئے۔ امی باہر گئیں اور فریدہ کے ابا جان کو بتایا کہ فریدہ بہت اداس ہے۔ ابا یہ سنتے ہی فریدہ کے کمرے میں آئے۔ انہیں اپنی بیٹی سے بہت پیار تھا۔ وہ فریدہ کو ذرا سا بھی اداس دیکھتے تو پریشان ہو جاتے۔

''کیا ہوا میری بیٹی کو؟'' فریدہ کے ابا نے کمرے میں آتے ہی پوچھا۔

فریدہ نے ابا جان کو دیکھا تو جھٹ پلنگ سے اٹھی اور روتی ہوئی ان کی ٹانگوں سے چمٹ گئی۔ ابا جان نے فریدہ کو بہت پیار کیا۔ پھر بولا۔

''آخر ہوا کیا؟'' فریدہ نے تو کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی امی نے بتایا کہ طارق، فریدہ سے ناراض ہو گیا ہے۔ اس لیے رو رہی ہے۔

''بیٹی رو نہیں۔ چپ ہو جاؤ۔'' ابا جان نے کہا۔ ''میں ابھی طارق کو بلواتا ہوں اور تم دونوں کی صلح کراتا ہوں، ٹھیک ہے نا۔''

فریدہ کی امی نے بڑھ کر فریدہ کے آنسو پونچھ دیے اور بولیں۔

''اور اب دودھ پی لو...... اور یہ سیب کھاؤ۔ دیکھو تو کتنے لال اور میٹھے ہیں۔''

فریدہ ابا جان کی بات سن کر خوش ہو گئی۔ اس نے امی کے ہاتھ سے سیب لے لیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ابا جان نے بڑے کمرے میں فریدہ کو بلوایا۔ فریدہ نے دیکھا کہ وہاں طارق کی امی بھی کھڑی ہیں۔ ابا جان نے فریدہ کو اپنے ساتھ صوفے پر بٹھا لیا۔

ابا جان نے فریدہ سے کہا۔

''لو بیٹی! اب تم طارق کی امی جان سے پہلے پوچھ لو، پھر طارق کو بھی بلوا لیں گے۔''

''خالہ جان! مجھ سے طارق کیوں ناراض ہے؟'' فریدہ نے پوچھا۔

طارق کی امی چپ تھیں۔ وہ دل میں سوچ رہی تھیں کہ میں نے ہی طارق کو فریدہ کے ساتھ زیادہ کھیلنے اور کھانے پینے سے منع کیا

تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس طرح فریدہ کو اتنا دکھ ہوگا اور وہ اس قدر روئے گی۔

”بتائیں نا خالہ جان!“ فریدہ یہ کہتی ہوئی صوفے سے اٹھ کر طارق کی امی کے پاس جا کھڑی ہوئی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

”طارق سے کہیں کہ پہلے کی طرح میرے ساتھ کھیلا کرے۔ میرے ساتھ اسکول سے گھر آیا کرے۔ میرے ساتھ ہی کھانا کھایا کرے۔ نہیں تو میں بھی کچھ نہیں کھاؤں گی۔ بس بھوکی سو جاؤں گی۔“

طارق کی امی نے جھک کر فریدہ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور بولیں۔

”میری بچی۔ میری نیک دل بچی! میں...... میں......“ طارق کی امی آگے کچھ نہ کہہ سکیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آواز گلے میں اٹک گئی۔ پھر وہ اپنے میلے دوپٹے سے آنسو پونچھ کر بولیں۔

”میں ابھی طارق کو لے کر آتی ہوں...... وہ تمہارے ساتھ ہی رہے گا۔ تمہارے ساتھ ہی کھیلے گا۔“ یہ کہہ کر طارق کی امی کمرے سے جانے لگیں۔

فریدہ کے ابا نے کہا۔

”آپ یہیں رہیے۔ میں بابا کو بھیج کر طارق کو بلوا لیتا ہوں۔“

طارق کی امی رک گئیں۔ پھر مڑ کر بولیں۔

”جی! بابا تو آپ کی گاڑی صاف کر رہا ہے۔ میں خود ہی طارق کو بلا لاتی ہوں۔“ طارق کی امی دروازے سے باہر نکل گئیں۔

”اب تو خوش ہو نا بیٹی!“ ابا جان نے فریدہ سے پوچھا۔

”جی ہاں، ابا جان!“ فریدہ نے جواب دیا اور بھاگ کر ابا جان کی گود میں آ گئی۔

فریدہ برآمدے میں آ کر ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھ گئی اور طارق کا انتظار کرنے لگی۔ طارق کی امی اپنے چھوٹے کوارٹر میں گئیں۔ کوارٹر خالی تھا۔ طارق ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ فریدہ اپنی گاڑی میں آئی تھی اس لیے جلدی پہنچ گئی تھی لیکن طارق پیدل آ رہا تھا۔ طارق سیدھی سڑک سے اس لیے نہیں آیا تھا کہ پیچھے سے فریدہ اپنی موٹر میں آئے گی اور پھر اسے اپنی موٹر میں بٹھانے کی کوشش کرے گی۔ اسی لیے طارق نے دوسرا راستہ لیا تھا۔ یہ راستہ کافی لمبا تھا۔

طارق کی امی کوارٹر کے پاس کھڑی اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ پہلے طارق، فریدہ کے ساتھ آتا تھا تو کتنی جلدی گھر آ جاتا تھا۔ اب اسے پیدل آنے میں بہت دیر ہو گئی ہے۔ امی نے اپنے دل میں کہا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا کروں۔ میں نے خود ہی اپنے بیٹے کو فریدہ کے ساتھ آنے جانے سے منع کیا ہے، کیوں کہ فریدہ کے ساتھ رہنے سے اس کا چچا ہمارا دشمن ہو جائے گا اور میرے بیٹے کی جان کو خطرہ لگا رہے گا لیکن ادھر فریدہ طارق کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس نے آج رو رو کر بُرا حال کر لیا ہے۔ میں تو فریدہ کو اپنی بیٹی ہی سمجھتی ہوں۔ میں نے طارق کی طرح فریدہ کو بھی دن رات گود میں اٹھایا اور اسے پالا ہے۔ مجھ سے اس کی پریشانی نہیں دیکھی جاتی...... پھر میں کیا کروں۔

اتنے میں دُور سڑک پر طارق آتا دکھائی دیا۔ ماں کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ اِدھر فریدہ نے اپنے برآمدے سے طارق کو سڑک پر دیکھ لیا۔ وہ بھی خوش ہو کر کرسی سے اٹھی اور زور سے بولی۔

”ابا جان! طارق آ گیا۔“

طارق کوٹھی کے بڑے پھاٹک کے پاس پہنچا اور پھاٹک کو کھول کر اندر آنے ہی لگا تھا کہ ایک آدمی اس کی طرف بڑھا۔ اس نے منہ پر چادر لپیٹ رکھی تھی اور آنکھوں پر سیاہ عینک لگائی ہوئی تھی۔

”طارق!“ اس آدمی نے کہا۔

طارق نے مڑ کر دیکھا۔

”کیا بات ہے؟ طارق نے پوچھا۔ وہ آدمی تیزی سے بولا۔

”میرے ساتھ آؤ...... اِدھر...... جلدی کرو۔ جلدی......“

(باقی آئندہ)

## ٹوٹ بٹوٹ نے بین بجائی

چوہے شور مچاتے آئے
مینڈک بھی ٹراتے آئے
بلی گانا گاتی آئی
ٹوٹ بٹوٹ نے بین بجائی

کوا، کوئل، مینا، مور
تیتر، تلیئر، چیل، چکور
سب نے مل کر دھوم مچائی
ٹوٹ بٹوٹ نے بین بجائی

اپنے اور پڑوسی ناچے
کنجڑے، مالی، گھوسی ناچے
ناچے درزی، دھوبی، نائی
ٹوٹ بٹوٹ نے بین بجائی

صوفی تبسم

# آپ بھی لکھیے

## بے موقع لاڈ

(آسیہ افضل، ہارون آباد)

"دانش آج تو آپ نے یہ کام کر لیا ہے، اب تو میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں، آج کے بعد اگر آپ نے یہ کام......" "کیسا کام؟" زاہدہ بیگم نے بات کو کاٹتے ہوئے کہا تو ارشد صاحب گویا ہوئے۔ "اس کمینے نے آج پھر میرے کوٹ کی جیب سے دس روپے پوچھے بغیر نکالے ہیں۔" "کوئی بات نہیں ابھی بچہ ہے بڑا ہو کر سنبھل جائے گا۔" زاہدہ بیگم نے کمال بے نیازی سے کہا اور دانش کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گئیں۔ عصر کی نماز کے لیے ارشد صاحب نے دانش کو بلایا تو زاہدہ بیگم نے یہ کہہ کر دانش کو جانے سے منع کر دیا کہ آج یہ گھر پر ہی نماز پڑھ لے گا۔ ارشد صاحب دانش کو ساتھ لیے بغیر پاؤں پٹختے ہوئے مسجد جانے کے لیے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ دانش نے گھر پر ہی نماز پڑھی اور امی جان سے اجازت لے کر باہر کھیلنے چلا گیا۔ دانش کو گئے ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ گزرا اور وہ واپس نہ آیا تو زاہدہ بیگم کو تشویش ہوئی۔ "آج دانش ابھی تک کھیل کر واپس گھر نہیں آیا۔" زاہدہ بیگم نے ارشد صاحب کے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا۔ ارشد صاحب یہ بات سن کر اخبار کو میز پر رکھتے ہوئے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر چلے گئے۔ باہر دانش کے دوست کھیل رہے تھے، ان سے دریافت کرنے پر پتا چلا کہ دانش تو مزمل کے ساتھ یہاں سے گزرا ہے۔ مزمل محلے کا بدتمیز اور چوری کرنے والا بچہ تھا۔ ابھی ارشد صاحب مزید کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ سامنے سے سیٹھ منیر صاحب کا ملازم اختر علی، دانش اور مزمل کو پکڑ کر لا رہا تھا۔ دانش نے ابو کی طرف دیکھتے ہی رونا شروع کر دیا جب کہ قریب پہنچ کر اختر علی نے بتایا کہ ان دونوں نے سیٹھ منیر صاحب کی کوٹھی کی پانی والی ٹینکی کا بیرونی پائپ اتار کر بیچ دیا ہے اور ان کو کوٹھی کے دوسرے ملازم نے چھت پر کھڑے ہو کر ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ارشد صاحب شرم سے پانی پانی ہو گئے اور ان کے مالی نقصان کی تلافی کا یقین دلایا گھر آ کر انہوں نے زاہدہ بیگم کو سب کچھ بتایا۔ ان کا خیال تھا کہ زاہدہ بیگم دانش کو ڈانٹیں گی مگر حسب معمول زاہدہ بیگم یوں گویا ہوئیں۔ "کوئی بات نہیں، میں ان کو پیسے دے دوں گی۔" اور دانش کو پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے گئیں۔ دانش جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا، اس نے زیادہ چوریاں کرنا شروع کر دیں۔ ایک دن ایسا آیا جب وہ پورا پورا ہفتہ گھر سے باہر رہنے لگا، آج اس واقعے کو دس سال گزر گئے تھے۔

ارشد صاحب آج دفتر میں حسب معمول اخبار پڑھ رہے تھے۔ ایک خبر پر نظر پڑتے ہی ان کی چیخ نکل گئی۔ وہ زاہدہ بیگم کو فون کرنا چاہتے تھے لیکن یہ سوچ کر موبائل واپس جیب میں ڈال لیا کہ ان کو اخبار ہی دکھا دوں گا۔ گھر پہنچتے ہی انہوں نے زاہدہ بیگم کو اخبار دی اور کہا کہ یہ لو پڑھو یہ والی خبر انہوں نے اخبار کی ایک خبر پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ لکھا تھا: "پولیس نے شہر کے بدنام ڈاکو دانش اور مزمل کو ان کے گینگ سمیت گرفتار کر لیا ہے جن کا جسمانی ریمانڈ کل ہو گا۔" ایک طرف دانش اور مزمل کی ہتھکڑیاں پہنے ہوئے تصویر تھی۔ زاہدہ بیگم نے دل دوز چیخ ماری اور زمین پر گر پڑیں۔ شاید ہمیشہ کے لیے۔

(پہلا انعام: 120 روپے کی کتب)

## اس کا ساتھ نہ چھوٹے

(انیس فاطمہ، وزیر آباد)

خالد اپنے بچوں کے اسکول کے باہر کھڑا بچوں کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کا بیٹا علی چوتھی جماعت اور بیٹی عافیہ دوسری جماعت میں پڑھتی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں اسکول سے باہر نکلے اور پاپا کی طرف بڑھے۔ علی کہنے لگا کہ مجھے چپس لے کر دیں اور عافیہ نے رنگ برنگی مچھلی کی فرمائش کی۔ یہ چیزیں ان کے اسکول کے باہر لگی ہوئی تھیں۔ خالد نے دونوں کو ان کی پسند کی چیزیں خرید کر دیں اور گھر کی جانب بڑھے۔ رات کو خالد اور علی بازار گئے اور وہاں سے گرم گرم مونگ پھلی خرید کر لائے۔ عافیہ اور ماما بھی اسی کمرے

میں آ گئیں جہاں علی اور پاپا بیٹھے تھے۔ پھر وہ سب مونگ پھلی کھانے لگے اور باتیں کرنے لگے۔ خالد نے کہا۔ ''بچو کل سے آپ لوگ قاری صاحب کے پاس قرآن مجید پڑھیں گے۔'' علی اور عافیہ پاپا کی بات سن کر منہ بنانے لگے اور علی نے کہا۔ ''پاپا! ہم قرآن نہیں پڑھیں گے۔ صرف اسکول جائیں گے ورنہ ہماری توجہ پڑھائی پر کم ہو جائے گی۔'' عافیہ نے بھی اس کی تائید کی۔ خالد کو اس کی بات سن کر بہت غصہ آیا اور ایک تھپڑ علی کے منہ پر مارا۔ علی دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ ماما اسے چپ کروانے لگیں۔

خالد وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ صبح وہ اٹھا اور بچوں کو اسکول چھوڑ کر آیا۔ آج شام کو وہ گجریلا لے کر آئے اور سب اکٹھے ہو کر گجریلا کھانے لگے۔ علی پاپا سے ناراض تھا۔ پاپا نے اسے اٹھایا اور پیار کرنے لگے اور کہا۔ ''میری کہانی سنو دراصل جب میں بہت چھوٹا تھا تو میرے ابو یعنی آپ کے دادا ابو نے میرے لیے قاری صاحب لگوائے تاکہ میں ان کے پاس قرآن مجید پڑھا کروں مگر جب انہوں نے مجھے کہا تو میں نے ابو سے بہت بدتمیزی کی اور پڑھنے سے انکار کر دیا۔ میرے ابو نے بھی مجھے غصے میں مارا مگر میں بضد تھا کہ قرآن نہیں پڑھوں گا اور نہ ہی پڑھا۔ اس طرح میں قرآن کی تعلیم سے محروم رہا۔ جب میں دسویں جماعت کا طالب علم تھا تو ہمارے اسکول میں ایک پروگرام ہوا جس میں سب نے قرآن مجید پڑھنا تھا۔ کسی کے لیے رعایت نہیں تھی، سب نے پڑھنا تھا۔ پروگرام والے دن بھرے مجمعے کے سامنے سب بچے اپنے نام پکارنے پر اسٹیج پر جاتے، کوئی تلاوت کرتا تو کوئی قرآن کی آیات کا ترجمہ کرتا۔ جب میری باری آئی تو میں گھبرا گیا۔ بہت مشکل سے اسٹیج پر پہنچا اور چپ سادھ کر کھڑا ہو گیا۔ سب چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ پھر میں خود ہی نیچے آ گیا۔ نیچے ہر بچہ ہزاروں سوال لیے میرا منتظر تھا۔ آخر میں ان سے کیا کہتا؟ میں گھر چلا آیا۔ گھر جا کر امی کو بتایا تو امی نے الگ ڈانٹا اور کہا۔ 'خالد اچھا ہی ہوتا جو تم قرآن پڑھ لیتے۔' اس دن مجھے بہت رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ میرے بچے کسی بھی دن اس رسوائی کا سامنا کریں۔ اسی لیے تم لوگوں کے لیے قاری صاحب نے قرآن پڑھانے کے لیے آنا تھا۔ مگر تمہارے منہ سے وہ بات سن کر مجھے بے حد غصہ آیا اور تمہیں تھپڑ مارا اور خیال کیا کہ تم اس تھپڑ سے سدھر جاؤ گے مگر نہیں۔ اسی لیے میں نے فیصلہ کیا کہ تمہیں یہ کہانی ضرور سناؤں گا۔'' علی بولا۔ ''سوری پاپا! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں نے کیا کہہ دیا ہے۔ میں ضرور قرآن پڑھوں گا اور عافیہ بھی۔'' ''ہاں! بالکل۔'' عافیہ پُرجوش ہو کر بولی اور خالد نے انہیں دیکھ کر کہا۔ ''اس کا ساتھ کبھی نہ چھوٹے۔'' عافیہ نے کہا۔ ''کس کا پاپا؟'' ''قرآن مجید کا۔'' خالد مسکرا کر کہنے لگا۔

(دوسرا انعام: 100 روپے کی کتب)

## پچھتاوا

(قانتہ شفیق، میانوالی)

احمد حسن کے چاروں طرف مایوسی ہی مایوسی تھی۔ آج وہ تمام بازیاں ہار گیا تھا۔ اس کے پاس سوائے پچھتاوے کے احساس کے اور کچھ نہ تھا۔ آج اس کا ماضی ایک خوف ناک سانپ کی طرح اسے ڈسنے کو تیار تھا۔ اس نے دیوار کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندیں اور ایک بار پھر ماضی کی تلخ یادوں میں کھو گیا۔

احمد حسن کا شمار ملک کی نام ور شخصیات میں ہوتا تھا۔ اندرون اور بیرون ملک میں اس کا کاروبار وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا تھا۔ شہر کے معروف علاقوں میں اس کے بڑے بڑے ہوٹل تھے مگر ان ہوٹلوں کے پس منظر میں کیا ہوتا تھا، اس سے کوئی واقف نہ تھا۔ احمد حسن کے تمام ہوٹلوں میں بڑے پیمانے پر جوئے کا دھندا جاری و ساری تھا۔ اس نے اپنے وسیع و عریض کاروبار کی بنیاد ہی جوئے سے جیتی ہوئی رقم سے رکھی تھی۔ اگر کسی کو اس کے ان جوئے خانوں پر شک بھی ہو جاتا تھا تو اس کی زبان بند کروا دی جاتی تھی۔ اس کے ان جوئے خانوں پر سخت پہرے تھے۔ قانون ساز اداروں کو اس نے بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی کہ اس کے ان نام نہاد ہوٹلوں میں کچھ غلط بھی ہو رہا ہے۔

طاقت کے نشے میں چور احمد حسن آخرت میں جواب دہی سے غافل تھا۔ وہ اپنی حرام کمائی سے مطمئن تھا اور عیش و عشرت کی زندگی میں مگن تھا۔ اس دن احمد حسن کو اس کے ایک ملازم بابر علی نے اطلاع دی تھی کہ جب جوئے کا دھندہ زور و شور سے جاری ہوتا ہے تو اس نے ایک انجان آدمی کو کئی بار چکر لگاتے دیکھا ہے۔ بابر علی کے خیال میں وہ پولیس کا کوئی مخبر بھی ہو سکتا

ہے مگر احمد حسن نے اس کی بات کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا تھا۔ ''پولیس کو مجھ جیسے شخص سے ٹکر لینے کی آخر کیا ضرورت ہے؟ پولیس ہم جیسوں کا کیا بگاڑ سکتی ہے اور بھلا کبھی چیونٹی نے بھی ہاتھی سے ٹکر لی ہے؟'' احمد حسن اپنی طاقت، شہرت اور دولت کے نشے میں ایسا چور تھا کہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ میری پکڑ کا وقت بھی آ سکتا ہے۔

احمد حسن اکثر اوقات رات کو اپنے جوئے خانوں کا چکر لگایا کرتا تھا۔ آج بھی وہ معائنے کی غرض سے آیا تھا۔ جوئے کا کاروبار پورے زور و شور سے جاری تھا۔ اچانک ہی پولیس کی بھاری نفری اندر داخل ہوئی اور چاروں طرف پھیل گئی۔ احمد کو لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔ وہ حالات کو سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔ ہر طرف پولیس ہی پولیس تھی۔ وہ اپنے آپ کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا۔

احمد کا تمام دھندا سامنے آ چکا تھا۔ وہ پولیس کی گرفت میں تھا۔ آج اسے اپنی ماں کی بات رہ رہ کے یاد آ رہی تھی۔ اس کی ماں کے آخری الفاظ یہ تھے: ''بیٹا جو کچھ بھی ہو جائے، حرام کے لقمے سے دور رہنا۔'' اپنی ماں کی اس نصیحت کو پس پشت ڈال دیا تھا اب احمد حسن کے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ نہ تھا۔ پولیس نے اس کے تمام جوئے کے اڈے اور ہوٹل نیلام کر دیے تھے۔ احمد حسن کو پانچ سال قید کی سزا سنائی دی گئی تھی۔ جیل میں وہ شدید بے چینی کی کیفیت کا شکار تھا۔ اس کے گناہ اسے بار بار ملامت کر رہے تھے۔ احمد حسن جو اپنی شہرت، عزت اور وقار کے نشے میں غرق رہتا تھا، آج اس کے پاس سوائے ذلت اور ناکامی کے کچھ نہ بچا تھا۔ وہ تہی داماں تھا۔ احمد حسن کو اس کے گناہ سکون نہیں لینے دیتے تھے۔ ساری زندگی حرام کا دھندا کرنے والے کو سکون اور آرام کی دولت کہاں میسر آ سکتی تھی؟ احمد حسن کو جیل ہی میں دل کا دورہ پڑا اور وہ زندگی کی بازی ہار گیا۔ عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے والے کی موت جیل کے ننگے فرش پر ہوئی تھی۔

(تیسرا انعام: 80 روپے کی کتب)

## میرا کیا قصور ہے؟

### اعزازی کہانی

ہم بستر سے گرنے ہی والے تھے کہ کہیں سے لہراتا ہوا ہاتھ آیا اور ہمیں اپنا اثر دکھایا۔ وہ امی تھیں۔ ابھی امی اپنی رحمت مزید برسانے ہی لگی تھیں کہ ہم نے وہاں سے دوڑ لگا دی۔ ہم اسکول سے تو لیٹ ہو ہی گئے تھے کہ آگے ہم پر پیار کی بارش برسانے کے لیے ماسٹر صاحب موجود تھے۔ ان کو دیکھ کر ہمارے جسم میں ویسے ہی درد شروع ہو گیا اور شکر ہے کہ بات برسنے تک آئی نہیں، تھوڑی گرج چمک ہوئی اور بس!!! ''اب یہ نہ کہنا کہ میرا کیا قصور ہے! قصور تو میرا ہے جو تم جیسے ڈھیٹ کو پڑھانے کی غلطی کی۔'' ماسٹر صاحب گرجے۔ ''میں نے تو پہلے دن ہی کہہ دیا تھا آپ کو سر!'' ہم بڑبڑائے۔

اسکول سے واپس آئے تو کھانا کھایا مگر پیٹ سے بھوک کی صدا پھر بھی آئی تو ہم مجبور ہو گئے۔ مُنی پاس ہی بیٹھی تھی۔ اب وہ بسکٹ کھا نہیں پا رہی تھی تو اس کی مدد کرنا تو ہمارا فرض تھا، لہٰذا بڑے بھائی کی حیثیت سے ہم نے اس کا ہاتھ بٹایا اور ایک بسکٹ منہ میں ڈالا۔ بسکٹ کی حلق میں اترنے کی دیر تھی کہ اچانک کچن کی جانب سے کچھ اڑتا ہوا آیا۔ ہمیں جلدی میں سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا تھا مگر جب اس چیز کے اثرات سر کی پشت پر مرتب ہوئے تو ہم سمجھ گئے کہ یہ امی کا مخصوص ربڑ کا جوتا ہے۔ ہمارے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ ''میرا کیا قصور ہے؟'' امی نے دوسرا جوتا ہاتھ میں لہراتے ہوئے کہا۔ ''بتاؤں، کیا قصور ہے؟'' ہم نے وہاں سے نکلنے میں ہی اپنی بھلائی سمجھی۔

باہر آئے تو سب بچے میدان میں کرکٹ کھیل رہے تھے۔ ہم نے بیٹنگ کی درخواست کی تو ہمیں باری مل گئی۔ پہلی گیند پر ہی ہم نے وہ چھکا دے مارا کہ سب کے منہ کھل گئے۔ اس لیے نہیں کہ ہم نے بڑا عمدہ کھیلا تھا، بلکہ اس لیے کہ بال محلے کے ایک کھڑوس انکل کی کھڑکی میں جا کر لگی تھی۔ سب ہمیں گھورنے لگے۔ ہم نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ ''میرا کیا قصور ہے؟'' اور وہاں سے بھاگنے کی جلدی کی۔ شام ہونے کو تھی ہم گھر پہنچے تو شکر ہے اللہ کا ہم سے کوئی قصور نہ ہو گیا!!! بڑے سکون اور اطمینان سے ہم بستر پر لیٹے۔ ابھی آنکھیں ادھ کھلی تھیں کہ امی کے چلانے کی آواز آئی۔ ''حیدر.........حیدر!'' چونکہ سستی میں ہم نمبر ون تھے، اس لیے اٹھنے کی تکلیف نہ کی۔ جب امی کی آواز بند ہوئی تو سکون آیا۔ ہم اب سو ہی چکے تھے کہ امی سر پر آ کر چیخنے لگیں۔ وہ کیا بول رہی تھیں، ہمیں کچھ سمجھ نہ آیا۔ بس ہم نے ایک جملہ کہا:

''اب میرا کیا قصور ہے؟''

(فاطمہ حسین فیضی، سرگودھا)

چندہ مانگنے والے (کنجوس آدمی سے): "ہم نے لوگوں کی بھلائی کے لیے ایک تالاب بنانا شروع کیا ہے، مہربانی کر کے آپ بھی تعاون فرمایئے۔"
کنجوس آدمی: "واقعی تالاب کی سخت ضرورت ہے، میں تعاون کرنے کو تیار ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے نوکر کو آواز دی:
"فضلو! ان لوگوں کو تالاب کے لیے دو بالٹی پانی دے دو۔"
(ماہ نور حنان، کراچی)

ایک چوہا (دوسرے چوہے سے): "کوئی ایسی ترکیب بتاؤ کہ میرا نام گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں آ جائے۔"
دوسرا چوہا: "تم کسی بلی سے شادی کر لو۔" (دروج اسلم، راولپنڈی)

ایک بچے کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ چھٹی کے لیے کیا عذر پیش کرے۔ آخر اس نے استاد سے درخواست کی: "مجھے اپنے دادا کی شادی کے لیے چھٹی چاہیے۔"
استاد نے پوچھا: "وہ اس عمر میں شادی کیوں کر رہے ہیں؟"
بچے نے کہا: "وہ تو نہیں کر رہے، میں زبردستی کروا رہا ہوں۔"
(ماہم اعجاز، گوجرانوالہ)

دادی (پوتے سے): "بیٹا! درخت کے ساتھ الٹے کیوں لٹکے ہو؟"
پوتا: دادی جان! سر درد کی گولی لی ہے، کہیں پیٹ میں نہ چلی جائے۔"
(شہزاد حیدر، لاہور)

بچہ (اپنے باپ سے): "آج میں نے خواب میں ہزار ہزار کے اتنے نوٹ گنے کہ میری آنکھ کھل گئی۔"
کنجوس باپ: "نوٹ گننے کی کیا ضرورت تھی، جلدی سے بیگ میں رکھ لیتے۔"
(شاذیہ فرخ، پنڈ دادنخان)

مالک: "تم نے مچھلی دھو کر کیوں نہیں پکائی؟"
نوکر: "جناب! اسے دھونے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تو ہمیشہ پانی میں رہتی ہے۔"

☆

فقیر نے ایک آدمی سے کہا: "بابو جی! ایک روپیہ دے دو۔ اللہ تمہیں ایمان دے گا۔" آدمی غصے سے بولا:
"کیا میں تمہیں بے ایمان نظر آ رہا ہوں؟" (علی عمیر ظفر، گوجرانوالہ)

ایک آدمی زندگی سے تنگ آ کر بولا:
"ایسی زندگی سے تو موت اچھی ہے۔"
اتنے میں ایک فرشتہ آیا اور کہا: "میں تمہیں لینے آیا ہوں۔"
آدمی (فرشتے سے): "اب آدمی مذاق بھی نہیں کر سکتا۔"
(عائزہ یاسمین، لاہور)

ایک پولیس والے نے چور کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ اس کے پاس ہتھکڑی نہ تھی۔ چور نے کہا:
"آپ یہیں کھڑے رہیں، میں ہتھکڑی لے کر آتا ہوں۔"
پولیس والا بولا: "واہ! تم یہیں کھڑے رہو، میں خود لے آتا ہوں۔"

☆

ایک لڑکا سڑک پر بھیک مانگ رہا تھا۔ ایک عورت نے کہا: "تمہیں شرم نہیں آتی۔ تمہاری عمر کے لڑکوں کو اسکول جانا چاہیے۔"
لڑکے نے جواب دیا: "میں وہاں بھی گیا تھا مگر کسی نے ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔"

☆

شاعر (اپنی بیوی سے): "تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں اپنی شاعری سے پوری دُنیا میں آگ لگا سکتا ہوں۔"
بیوی: "تو پھر تم کچھ غزلیں چولہے میں بھی ڈال دو تا کہ میں کھانا پکا سکوں۔" (محمد اسماعیل خان، نواں کوٹ)

باپ: "پرچہ کیسا ہوا؟"
بیٹا: "ایک سوال رہ گیا، دوسرا آ نہیں رہا تھا، تیسرا اور چوتھا بھول گیا، پانچواں نظر نہیں آیا۔"
باپ: "باقی تین سوالات؟"
بیٹا: "صرف وہی غلط ہوئے ہیں۔" (حمنہ زاہد، گوجرانوالہ)

# جہاں اقبال رہتے تھے

رانا محمد شاہد

علامہ اقبال...... شاعرِ مشرق و مفکرِ پاکستان جن سے عقیدت و محبت رکھنے والے دنیا بھر میں ہیں۔ اسی طرح وہ تمام عمارتیں ہمارے لیے اہمیت کی حامل ہیں جو کسی نہ کسی حوالے سے ان کی ذات سے منسوب رہیں۔ اس مضمون میں ہم ان اہم عمارتوں کا تذکرہ کریں گے۔

## اقبال منزل

علامہ اقبال کی پہلی رہائش گاہ کا نام ''اقبال منزل'' ہے جو سیالکوٹ میں واقع ہے جہاں علامہ اقبال پیدا ہوئے۔ 150 سالہ قدیم یہ عمارت جسے 1861ء میں علامہ اقبال کے پردادا شیخ رفیق نے خریدا تھا، پیدائش سے لے کر ایف اے کا امتحان پاس کرنے تک علامہ اقبال اسی گھر میں مقیم رہے۔ اس عمارت کو اب علامہ اقبال لائبریری کا نام دیا گیا ہے۔ اس لائبریری میں کم وبیش چار ہزار کتب موجود ہیں جن میں سے صرف اقبالیات پر 2 ہزار سے زائد کتب ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک دس لاکھ سے زائد افراد اس گھر کا دورہ کر چکے ہیں۔ ملکی و غیر ملکی سرکاری مہمان اور سفارت کاروں کی ایک بڑی تعداد اس گھر کو دیکھنے آتی ہے۔ لوگوں کی محبت و عقیدت کو دیکھتے ہوئے حکومت نے شاعرِ مشرق کے اس گھر کو قومی ورثہ قرار دے کر میوزیم میں تبدیل کر دیا ہے۔

## شیش محل (بھوپال)

بھوپال ریاست کے نواب حمید اللہ خان، علامہ اقبال کے بہت بڑے مداح تھے۔ اسی لیے بھوپال کے شیش محل کو علامہ اقبال کی زندگی کے حوالے سے بہت اہمیت حاصل ہے۔ علامہ کئی کئی ہفتے شاہی مہمان کی حیثیت سے نواب صاحب کے پاس شیش محل میں قیام کرتے تھے۔ بعد میں بھارتی صوبے مدھیا پردیش کی حکومت نے علامہ اقبال کی اس قیام گاہ یعنی شیش محل کو تاریخی حیثیت دے دی۔ یہاں اقبال لائبریری کا قیام، اقبال کے زیرِ استعمال یادگاری اشیاء کی نمائش اور ایسے ہی کئی اقدامات کیے جو علامہ اقبال کی یادوں کو زندہ رکھنے میں معاون ہوں۔ بعض اوقات علامہ اقبال علاج کی غرض سے بھی شیش محل میں قیام کرتے۔ اس محل کے بالکل سامنے ایک کھلا میدان تھا۔ اقبال صبح صبح اس میدان میں ٹہلنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ اس میدان کو ''کھرنی والا میدان'' کہا جاتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مدھیا پردیش کی حکومت نے اس میدان کا نام کھرنی والا میدان سے تبدیل کر کے ''اقبال میدان'' رکھ دیا۔ اس میدان میں ایک خوب صورت پارک بھی بنایا

گیا۔ اس تاریخی جگہ کو ''آل انڈیا اقبال ادبی مرکز'' کا نام دے کر یادگار بنا دیا گیا۔

## ہائیڈز برگ (جرمنی)

1906-07ء میں جب علامہ اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے جرمنی گئے تو ہائیڈز برگ اور میونخ کے علاقوں میں کچھ عرصہ قیام کیا۔ ہائیڈز برگ کے علاقے ''نیکر وادی'' سے علامہ کی بہت سی یادیں وابستہ ہیں۔ علامہ اقبال کے فلسفۂ خودی کو جرمن لوگوں میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ جرمن حکومت نے اس جگہ جہاں اقبال رہتے تھے، کے گرد ایک پارک تعمیر کر کے اسے ''اقبال پارک'' کے نام سے موسوم کر دیا ہے جہاں آج بھی اقبال سے محبت کرنے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جرمن لوگوں کی اقبال پہ بہت تحقیق ہے۔ اقبال کے ایک ایک شعر پر ضخیم کتابیں لکھی گئیں۔ ان کی بہت سی کتابوں کا جرمن زبان میں ترجمہ ہوا۔ اقبال کے چاہنے والے اس پارک اور نیکر وادی کے پاس بیٹھ کر ان کی کتابیں پڑھتے ہیں۔ ہائیڈز برگ کے وسط میں واقع یہ خوب صورت عمارت جرمنی میں علامہ اقبال کے گزرے وقت کی حسین یادیں اور روایات کو زندہ کیے ہوئے ہے۔

## جاوید منزل

''جاوید منزل'' علامہ اقبال کی وہ رہائش گاہ ہے جہاں سے 21 اپریل 1938ء کو انہوں نے اپنا سفرِ آخرت شروع کیا۔ جاوید منزل، علامہ اقبال کی یادوں کا گہوارہ ہے۔ علامہ کے کلام کے دیوانے علامہ کی اس رہائش گاہ کو بھی رشک کی نظروں سے دیکھتے اور فرطِ جذبات سے اسے دیکھنے چلے آتے۔

یہ وہی ''جاوید منزل'' ہے جسے علامہ اقبال نے بڑی محبت اور چاؤ سے تعمیر کرایا تھا۔ اس گھر کی تعمیر میں علامہ اور ان کی اہلیہ سردار بیگم کا بڑا ہاتھ تھا۔ علامہ اقبال کو مکانات کی تعمیر سے اتنی دلچسپی نہ تھی لیکن اپنے دو ننھے بچوں اور بیوی کی خواہش کے پیشِ نظر انہوں نے گھر کی تعمیر کا فیصلہ کر لیا۔ 1934ء میں انہوں نے یہ جگہ 25025 روپے میں خریدی۔ زمین کی خریداری کے بعد فوراً ہی مکان کی تعمیر کا بھی آغاز کر دیا گیا۔ جس شخص کی ساری زندگی درویشی و قناعت میں گزری ہو، اس کے پاس اتنا سرمایہ کہاں سے آتا کہ فوراً مکان کی تعمیر شروع ہوتی۔ ایسے میں علامہ اقبال کی اہلیہ کے زیورات اور کچھ پس انداز کی گئی رقم کام آئی۔ یوں مکان کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک سال میں مکان کی تعمیر مکمل ہوئی جس پہ تقریباً 16 ہزار روپے خرچ ہوئے جب کہ پنکھوں اور دوسرے سامان پہ ایک ہزار روپے لگے۔ یوں یہ گھر تقریباً 42025 روپے میں مکمل ہوا۔ مئی 1935ء میں علامہ اقبال اپنے اہل خانہ کے ساتھ میکلوڈ روڈ والی کوٹھی سے ''جاوید منزل'' منتقل ہو گئے۔ میکلوڈ روڈ والے گھر میں انہوں نے 13 سال گزارے۔ وہ یہاں 1922ء میں آئے تھے۔ اس سے پہلے 1908ء سے 1922ء تک وہ انارکلی کے ایک مکان میں رہے۔ ساری زندگی کرائے کے مکانوں میں رہنے کے بعد آخری عمر میں انہیں اپنا گھر ملا تو اسے اپنے چہیتے بیٹے ''جاوید'' کے نام سے موسوم کر دیا۔ جاوید منزل آنے والوں میں علامہ اقبال کے ساتھ دس سالہ جاوید اقبال، سات سالہ منیرہ بانو، علامہ کی اہلیہ سردار بیگم اور پرانے خدمت گار علی بخش شامل تھے۔ اس گھر منتقل ہونے کے چند دنوں بعد ہی علامہ اقبال کو صدمہ برداشت کرنا پڑا جب ان کی بیوی سردار بیگم انتقال کر گئیں۔ علامہ اقبال کی صحت پہلے ہی اتنی اچھی نہ تھی، اس صدمے نے انہیں مزید نڈھال کر دیا۔ حساس طبیعت ہونے کی وجہ سے سنبھلنا مشکل ہوا تو وکالت کو بھی خیرباد کہہ دیا۔ علامہ اقبال کے آخری ایام اسی گھر میں گزرے۔ 1935ء میں ''جاوید منزل'' تعمیر ہوئی اور یوں تین سال علامہ اقبال کو اپنے گھر میں رہنا نصیب ہوا۔

حکومت نے اس رہائش گاہ کو 1961ء میں میوزیم کا درجہ دے دیا۔ یہ میوزیم سیاحوں کے لیے خصوصی توجہ کا درجہ رکھتا ہے۔ یہاں علامہ اقبال کے زیرِ استعمال کپڑے، جوتے، تعلیمی اسناد، ان کے ہاتھ کے تحریر کردہ خطوط اور دیگر اشیاء رکھی گئی ہیں۔ بعد ازاں جاوید منزل سے ملحقہ روڈ کو اقبال روڈ کا نام دے دیا گیا۔ قائد اور علامہ کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ اسی گھر میں جاری رہا۔ 1937ء میں جواہر لعل نہرو اور میاں افتخار الدین بھی علامہ اقبال سے ملنے اس گھر میں آئے۔ اس موقع پر نہرو ازراہِ ادب علامہ کے سامنے زمین پر بیٹھ گئے۔ جاوید منزل میں حیاتِ اقبال کے کئی راز پوشیدہ ہیں جو اس شاعرِ بے مثال کی عظمت کے گواہ ہیں۔

☆

تاریخی ناول لکھنے کے حوالے سے شہرت پانے والوں میں ایک بڑا نام نسیم حجازی کا بھی ہے۔ ان کا اصلی نام محمد شریف تھا جو چوہدری محمد ابراہیم کے ہاں 19 مئی 1914ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد ان دنوں مشرقی پنجاب کے ضلع گورداس پور (یہ علاقہ اب بھارت کا حصہ ہے) کے ایک گاؤں سوجان پور میں رہتے تھے۔

نسیم حجازی نے میٹرک تک تعلیم اپنے ضلع گورداس پور میں ہی حاصل کی۔ اس کے بعد اسلامیہ کالج، لاہور سے 1938ء میں بی اے کیا۔ اس وقت ان کی عمر 24 سال تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد نسیم حجازی نے عملی زندگی کا آغاز صحافت کے کانٹوں بھرے شعبے میں قدم رکھ کر کیا۔ وہ کراچی سے نکلنے والے دو اخبارات روزنامہ "حیات" اور روزنامہ "زمانہ" سے منسلک ہو گئے۔ انہوں نے تحریک پاکستان میں بھی بھرپور قلمی جہاد کیا۔ انہوں نے میر جعفر خان جمالی (سابق وزیراعظم پاکستان میر ظفر اللہ خان جمالی کے والد) کے ہفت روزہ "تنظیم" کے مدیر کی حیثیت سے بلوچستان اور بالائی سندھ میں اس تحریک کو کام یابی دلانے کے لیے کئی مضامین لکھے اور دوسروں سے بھی لکھوائے۔

پاکستان بننے کے بعد انہوں نے روزنامہ "تعمیر" راولپنڈی کے مدیر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے یوم آزادی 14 اگست 1953ء کے یادگار دن پر انہوں نے چوہدری عنایت اللہ کے ساتھ مل کر اپنا ذاتی اخبار "کوہستان" راولپنڈی سے جاری کیا، جس کی ادارت بھی ان ہی کے ذمے تھی۔ اس اخبار نے عوام میں بے حد مقبولیت پائی اور تیزی سے کام یاب ہونے لگا۔ اس کی طلب اور مقبولیت نے پنجاب کے دوسرے اخبارات کو پیچھے چھوڑ دیا۔ نسیم حجازی نے اسے جلد ہی لاہور اور ملتان سے بھی نکالا۔ اپنی اشاعت کے دسویں سال 1963ء میں اس پر پابندی لگی۔

اس پابندی کی وجہ یہ تھی کہ کوہستان نے یہ خبر شائع کر دی تھی کہ لاہور میں ایک اجتماعی جلوس پر پولیس کی فائرنگ سے تین طلباء ہلاک ہو گئے ہیں، جب کہ حکومت کا موقف یہ تھا کہ ہنگامے میں کوئی طالب علم نہ تو ہلاک ہوا اور نہ ہی شدید زخمی۔ اخبار اپنے موقف پر جما رہا۔ اس جرأت پر تینوں شہروں کے اخبارات دو ماہ کے لیے بند کر دیے گئے اور نسیم حجازی کو گرفتار کر لیا گیا۔

بعد میں کوہستان جاری تو ہوا، مگر اس میں پہلے جیسی بات نہ رہی۔ مجبوراً نسیم حجازی نے اسے بند کر دیا اور اپنی تمام تر توجہ ناول لکھنے پر مرکوز کر دی۔ صحافت کے بعد ناول نویسی میں قدم رکھنا، خود ان کے لیے اور اردو ادب کے لیے بے حد فائدہ مند ثابت ہوا۔ ان کے قلم نے وہ انداز اختیار کیا کہ تاریخی واقعات بھی دلچسپ اور اثر پذیر لگنے لگے۔ داستانِ مجاہد، ان کا پہلا ناول تھا جو وہ پہلے ہی لکھ چکے تھے۔ ان کے دیگر ناولوں میں انسان اور دیوتا، محمد بن

قاسم، آخری چٹان، شاہین، خاک اور خون، یوسف بن تاشفین، آخری معرکہ اور تلوار ٹوٹ گئی، معظم علی، قیصر و کسریٰ، قافلہ حجاز، اندھیری رات کے مسافر اور کلیسا اور آگ بے حد مقبول ہوئے۔

ان کے کئی ناولوں کے ملکی اور غیر ملکی زبانوں میں تراجم بھی ہوئے ہیں۔ تاریخی ناولوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے طنز و مزاح پر مبنی کتابیں بھی لکھیں جن میں سو سال بعد، سفید جزیرہ، پورس کے ہاتھی اور ثقافت کی تلاش شامل ہیں۔

نسیم حجازی کے ناول ''آخری چٹان'' کو پاکستان ٹیلی ویژن پر بھی پیش کیا گیا۔ آخری چٹان منگول حکمران چنگیز خان اور خوارزمی سلطنت کے آخری سلطان جلال الدین محمد خوارزم شاہ کی جنگ کے احوال پر مبنی ہے۔ ان کا دوسرا ناول ''شاہین'' کو بھی پی ٹی وی پر پیش کیا گیا۔ اس ناول میں مسلمانانِ اندلس کی تاریخ کے چند ابواب کو پیش کیا گیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح اسپین میں عیسائیوں نے پہلے یہودیوں اور پھر مسلمانوں کو اپنا نشانہ بنایا۔ پاکستان سے دیارِ حرم تک کے عنوان سے انہوں نے اپنا سفرنامہ حجاز بھی لکھا۔

ممتاز ایٹمی سائنس دان اور محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی خواہش پر وہ سیاچین کے محاذ پر پاکستانی افواج کی جانبازی کے پس منظر میں ناول لکھ رہے تھے، مگر موت نے مہلت نہ دی۔ نسیم حجازی نے 2 مارچ 1996ء میں راولپنڈی میں وفات پائی اور اسلام آباد میں آسودۂ خاک ہوئے۔

صحافت اور تاریخی ناول نگاری کے حوالے سے ان کا کام اتنا پھیلا ہوا ہے کہ آج بھی طلبا ان کے انداز سے بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ان کے علمی کام پر تحقیق بھی ہو رہی ہے۔ ''لائف اینڈ ورکس آف نسیم حجازی'' (نسیم حجازی کی حیات و خدمات) کے عنوان سے مقالہ لکھنے پر کولمبیا یونی ورسٹی کیلیے فورنیا نے رجبہ تصدق حسین کو 1985ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری دی۔ اس کے علاوہ بھی ان پر بے شمار مضامین لکھے گئے ہیں۔

محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان ان کی ناول نگاری کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''دوسرے عام بچوں کی طرح بچپن میں، میں بھی جاسوسی اور رومانوی ناول پڑھا کرتا تھا لیکن جب پہلی بار نسیم حجازی صاحب کا ناول ''یوسف بن تاشفین'' پڑھا تو میں نے پھر کبھی دوسرے ناولوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ میں ان کے تمام ناول بار بار پڑھتا تھا اور اکثر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ ان کی تحریر میں جو دل میں چبھنے والی سچائی اور درد تھا، وہ کسی اور ناول نگار کی تحریر میں نہیں تھا۔ ان کے ناول پڑھ کر میں ہمیشہ یہی دعا مانگتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس قابل بنا دے کہ میں بھی آگے چل کر ان مجاہدین اسلام کی طرح اپنے مذہب، ملک اور مسلمانوں کی خدمت کر سکوں...... میں نوجوانانِ پاکستان سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ نسیم حجازی صاحب کے ناول پڑھیں اور ملک و قوم کی صحیح خدمت کرنے کا جذبہ پیدا کریں۔''

☆☆☆

## شہری دفاع: جل جانا اور بجلی کا جھٹکا

جلنے سے جلد سرخ ہو جاتی ہے۔ آبلے پڑ جاتے ہیں۔ جلد بالکل جل جائے تو گوشت نظر آنے لگتا ہے یا کپڑا چپک جاتا ہے۔

**تدابیر و بچاؤ:** جلے ہوئے حصے کو صاف کپڑے سے ڈھانپ دیں اور ہلکی سی پٹی باندھ دیں۔ مریض کو گرم چائے، دودھ یا کافی پلائیں۔ جلے ہوئے حصے سے چپکا ہوا کپڑا نہ کھینچیں۔ جلے ہوئے حصے کو گرم پانی کی بوتل سے ٹکور کریں۔ ٹینک ایسڈ جیلی، برنال، ٹریل ڈائی جیلی، ٹرائیو فیکس مل سکے تو جلے ہوئے حصے پر لگا دیں۔ میٹھا سوڈا ایک چمچ پانی میں حل کر کے لگائیں یا چائے کا گاڑھا قہوہ لے کر کپڑے میں تر کر کے لگائیں۔ چھوٹا بچہ جل جائے تو ایک چمچ کھانے کا سوڈا دس چھٹانک پانی میں حل کر کے متاثرہ حصے پر لگائیں۔ بجلی کا جھٹکا لگنے کی صورت میں مریض کو اس طرح لٹائیں کہ سر پیروں سے نیچے رہے۔ مریض کو کمبل یا چادر اوڑھا دیں۔ گرم پانی کی بوتل یا کسی اور طریقے سے مریض کو حرارت نہ پہنچائیں۔ نشلی دوائیں چائے یا کافی کسی صورت میں نہ دیں۔ مریض پیاس محسوس کرے تو سادہ پانی وقفے وقفے سے پلائیں۔ متلی ہو اور پیٹ زخمی ہو تو پانی نہ دیں۔ سر اور سینے پر چوٹ لگی ہو، مریض کا چہرہ سرخ ہو، اس کی گردن یا کمر ٹوٹی نہ ہو تو سر اور کندھے کے نیچے تکیہ رکھ کر اونچا نہ کریں۔ مریض کو سانس لینے میں تکلیف ہو تو اس کو بٹھا دیں اور سر پیروں سے نیچا رکھیں۔

# ایڈیٹر کی ڈاک

تعلیم و تربیت کے تمام قارئین کو السلام و علیکم! قارئین نے جناب عبدالسلام صاحب کی رحلت پر جس رنج و غم اور افسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کے لیے دعائے مغفرت بھی کی ہے، ہم ان سب کے شکر گزار ہیں۔

کئی ماہ سے ہمارا خط شامل نہیں ہوا۔ میں نے تعلیم و تربیت کے مزید قارئین بنائے ہیں۔ (خدیجہ نشان، کامونکی)

☆ خدیجہ نشان قادری بہت محنت اور خلوص سے ہمیں ہر ماہ خط لکھتی ہیں۔ ان کا تبصرہ بہت جامع اور بھرپور ہوتا ہے۔ ہم آپ اور دوسرے قادری بہن بھائیوں کے شکر گزار ہیں کہ وہ تعلیم و تربیت کے فروغ میں ہمارے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔

اس بار تعلیم و تربیت لاجواب تھا۔ اساتذہ کرام نے مضمون ڈائنوسار اور قرار داد پاکستان سے مواد لے کر ہمیں مضمون لکھوایا ہے۔ واقعی میں بہت خوش ہوں کہ ہمارے علم میں اضافہ ہوا۔ بچے آپ کو خوش ہو کر سلام بھیج رہے ہیں۔ آپ کا رسالہ بہت زبردست رہا۔ (فاطمۃ الزہرہ، لاہور)

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ مارچ کا شمارہ زبردست رہا۔ میں یہ رسالہ 8 سال سے پڑھ رہی ہوں۔ پہلے بھی خط لکھ چکی ہوں لیکن ایک مرتبہ بھی شائع نہیں ہوا۔ (رباب افتخار، فیصل آباد)

رسالہ آیا کھولا تو پہلے ہی صفحے پر بُری خبر پڑھ کر دل بجھ سا گیا کہ جناب عبدالسلام وفات پا گئے ہیں۔ ان کے لیے دعا گو ہوں۔ پھر حمد اور نعت پڑھی تو دل منور ہو گیا۔ درسِ قرآن و حدیث پڑھ کر معلوم ہوا کہ کوئی بھی نیکی حقیر نہیں ہے۔ کہانیوں میں پہلے کون، روشنی، بہروپیا اور ناول بہت عمدہ تھے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر کے بارے میں پڑھا تو فخر محسوس ہوا کہ پاکستان میں بھی عظیم سائنس دان ہیں۔ نظم، معلومات عامہ اور آیئے مسکرایئے دل چسپ تھے۔ تعلیم و تربیت کی تمام ٹیم کو مبارک باد۔ (گوہر زمان، گوجرانوالہ)

میں تعلیم و تربیت کی نئی قاری ہوں۔ میرا خط ضرور شامل کیجئے گا۔ مارچ کا شمارہ ٹاپ پر تھا۔ عبداللہ کی ضد، ہزاروں خواہشیں ایسی اور ڈائنوسار بازی لے گئے۔ (عریشہ رضوان، لاہور)

سب سے پہلے اہل خانہ کی طرف سے بہت بہت سلام اور چیف ایڈیٹر عبدالسلام کی وفات کا بہت افسوس ہوا۔ میں آپ سے بے حد ناراض ہوں کیوں کہ میں نے آپ بھی لکھئے اور کھوج لگایئے بھیجے لیکن شائع نہیں ہوئے، اس وجہ سے میں نے پچھلے ماہ ناراض ہو کر خط نہیں بھیجا۔ آپ کو میری غیر موجودگی محسوس نہیں ہوئی؟ (مہلب شہباز، گوجرانوالہ)

☆ پیاری سی مہلب نایاب! سچ آپ کی غیر موجودگی محسوس ہوئی تھی اور ہم اداس بھی ہوئے۔ آپ ناراضگی ختم کریں اور اپنی تحریریں بھیجتی رہیں۔ باری آنے پر ضرور شائع ہو گی۔ ٹھیک ہے؟

☆ مسز اکرم صدیقی! آپ کے خلوص اور پیار کا بے حد شکریہ۔ قلمی تعاون جاری رکھئے گا۔

میں تعلیم و تربیت کی باقاعدہ قاری ہوں۔ رسالہ دیر سے ملنے کی وجہ سے میں خط لکھنے سے قاصر رہی۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہیں۔ نیلی روشنی کا راز بہت لطف جا رہا تھا۔ نیا ناول بہت پسند آیا۔ ہزاروں خواہشیں ایسی بہت ہی زبردست تھی۔ عبدالقدیر خان، قرار دادِ پاکستان اور ڈائنوسار پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ اوہو! یہ بات تو بھول ہی گئی کہ سرورق پر مینار پاکستان اور پرچم کی تصویر بہت دل کش اور جاذب نظر تھی۔ (آمنہ بی بی، رافعہ بی بی)

تعلیم و تربیت ایک با مقصد رسالہ ہے جو نئی نسل میں شعور اور دینی آگاہی پیدا کر رہا ہے۔ میں کافی عرصے سے تعلیم و تربیت پڑھ رہی ہوں۔ (جویریہ رمشاء، پتوکی)

مارچ کا شمارہ لاجواب تھا۔ مجھے بہروپیا، تتلیاں، روشنی، کون پہلے زبردست لگیں۔ مجھے آپ کا میگزین بہت پسند ہے لیکن بہت افسوس ہوا ہے کہ آپ نے میرا خط شائع نہیں کیا۔ میں آپ سے ناراض ہوں۔ اللہ آپ کے میگزین کو مزید ترقی دے۔ (آمین) (کشف جاوید، فیصل آباد)

مجھے تعلیم و تربیت بہت پسند ہے۔ بہت پیار سے پڑھتی ہوں۔ یہ میرا تیسرا خط ہے۔ دو بار شامل نہیں کیا گیا۔ میرے پیپرز ہو رہے

ہیں۔ پھر بھی خط لکھ رہی ہوں۔ دعا کیجیے کہ اچھے نمبروں سے پاس ہو جاؤں۔

(سونیا ذوالفقار، عائشہ، عروج، ملائکہ، اقراء، حنا، خدیجہ اور حفصہ، مردان)

آپ کا ہر شمارہ سپرہٹ ہوتا ہے۔ کھوج لگائیے، ذائقہ کارنر بہت اعلیٰ تھے۔ میں نے اپنی دوستوں کو بھی یہ رسالہ دیا ہے۔

(قدسیہ بتول، ام حبیبہ بتول، محمد عثمان غنی، خان پور)

میں زینب سلمان ہوں۔ دو سال سے تعلیم و تربیت پڑھ رہی ہوں۔ میری دوست غازیہ، عائشہ اور خدیجہ بھی پڑھتی ہیں اور محظوظ ہوتی ہیں۔ تمام کہانیاں دل چسپ اور ٹاپ پر تھیں۔

(زینب سلمان، ساہی وال)

مارچ کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ بہروپیا، تتلیاں، امن کا گیت، ڈائنوسار اور ناول دولت پور میں، ہزاروں خواہشیں ایسی اور نظم سپر ہٹ تھیں۔

(مشال، ثناء، مردان)

تعلیم و تربیت میرے استاد حسن رضا سردار قادری صاحب نے دیا تھا۔ جب میں نے پڑھا تو میرے علم میں بہت اضافہ ہوا اور مجھے یہ رسالہ بہت پسند آیا۔ پیاری باجی! میرا یہ خط اگلے ماہ ضرور شامل کریں۔

(خرم سیفی، چکوال)

میں چھٹی میں پڑھتا ہوں۔ میری عمر 14 سال ہے۔ دو سال سے تعلیم و تربیت کا خاموش قاری ہوں۔ نیکی ایک انمول اثاثہ، بہروپیا اور جان پیاری ہونا بہت پسند آئیں۔ معلومات عامہ، آیئے مسکرایئے اور مختصر مختصر کے لیے تحریریں بھیج رہا ہوں۔ یہ بھی شائع کیجیے۔ دعا کریں امتحان میں اول آؤں۔

(محمد کلیم، بھکر)

کیسے ہیں آپ؟ میں ایک سال دو مہینے سے تعلیم و تربیت پڑھ رہی ہوں۔ پہلی بار خط لکھ رہی ہوں۔ میرے پاپا اور ماما بھی اسے پڑھتے ہیں۔ میں کھیل اور کھلاڑی کے لیے ایک مضمون بھیج رہی ہوں۔ سلسلہ میری زندگی کے مقاصد ختم کر دیں۔ پاکستانی کرکٹ ٹیم کے موجودہ کھلاڑیوں کے بارے میں بھی شائع کیا کریں۔ محاورہ کہانی اچھا سلسلہ ہے۔

(فلزا وقار، جہلم)

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ اس مرتبہ رسالہ تاخیر سے ملا۔ کشمیر کہانی ٹاپ پر تھی۔ ہم یہ رسالہ باقاعدگی سے پڑھتے ہیں لیکن خط پہلی بار لکھ رہے ہیں۔ اداریہ بہت اچھا لگا جس نے

رسالے کو چار چاند نہیں بلکہ آٹھ چاند لگا دیتے ہیں۔

(منظور احمد برکی، پشاور)

اتنے عرصے بعد حاضر ہوئی ہوں۔ معاف کیجیے گا کیوں کہ کہتے ہیں: ''تاخیر ہوئی تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا'' کے مصداق والی بات بالکل مجھ پر فٹ ہے۔ گھر میں کچھ پریشانیاں تھیں، اس وجہ سے میں حاضر نہیں ہو سکی۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پریشانی ختم ہو گئی ہے تو میں بھی حاضر ہو گئی ہوں۔ اب آتے ہیں مارچ 2014ء کے رسالے کی طرف پہلے اداریہ پڑھا تو یہ جان کر بہت دکھ ہوا کہ چیف ایڈیٹر جناب عبدالسلام صاحب اب اس دُنیا میں نہیں رہے۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔ انکل عبدالسلام بہت اچھے انسان تھے۔ ان کی زندگی کے جتنے دن اوپر والے نے لکھے تھے، وہ پورے کر کے اس دُنیا سے منہ موڑ گئے۔

رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے لیکن میں ''سوال یہ ہے کہ.....'' میں حصہ لے رہی ہوں اور بلاعنوان میں بھی شرکت کر رہی ہوں۔ اگر ہو سکے تو شائع کیجیے گا۔ دعا ہے کہ تعلیم و تربیت دن دگنی رات چگنی ترقی کرے، آمین۔

(شازیہ اقبال، شہناز اقبال، کہروڑ پکا)

ماہنامہ تعلیم و تربیت 2010ء سے 2012ء تک میرے زیر مطالعہ رہا لیکن صد حیف کہ میں اس سے تعلق زیادہ دیر تک استوار نہ رکھ سکا اور اس سے معلومات سمیٹنے میں ناکام رہا۔ اب دوبارہ حاضر ہوں۔ میں جس رسالے کے لیے بھی خط لکھوں، کہانی کے مصنفین کو مبارک باد ضرور پیش کرتا ہوں۔ اس مرتبہ بھی تمام لکھاریوں کو مبارک باد۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تعلیم و تربیت کو ترقی کی نت نئی راہوں پر چل نکلنے میں آسانیاں عطا فرمائے۔ (آمین) آخر میں ایک عاجزانہ درخواست ہے کہ تعلیم و تربیت میں ہر ماہ ڈرامے ضرور شامل اشاعت ہونے چاہئیں کیوں کہ ڈرامہ اُردو ادب کا اہم جزو ہے اور اسے ہر رسالے میں شامل اشاعت ہونا چاہیے۔ بچوں کے لیے لکھنا صدقہ ہے، ہم نے بھی ایک نظم لکھی ہے۔ امید واثق ہے کہ سب کو پسند آئے گی۔ کوشش کروں گا کہ تعلیم و تربیت میں تسلسل کے ساتھ لکھ سکوں۔

(محسن اقبال، ساہی وال)

# کھوج لگائیے!

ذہانت آزمائیں اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں۔

سارہ اور طارق پیدل جا رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک بس پل کے نیچے پھنس گئی ہے۔ بس میں بیٹھے ہوئے لوگ انہیں ہاتھ ہلا ہلا کر مدد کے لیے پکار رہے تھے۔ سارہ اور طارق نے کچھ دیر کے لیے سوچا اور دونوں نے بس کو دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر پل کے نیچے سے نکال دیا۔

پیارے بچو! سارہ اور طارق کے پاس سوائے ایک کیل کے کچھ نہیں تھا۔ آپ بتائیں کہ انہوں نے کیسے بس کو باہر نکالا؟ جواب تو بہت ہی آسان ہے۔ بس ذرا ذہن پر تھوڑا سا زور ڈالنے کی ضرورت ہے۔ آپ اس عبارت کو غور سے پڑھنا شروع کیجئے اور کھوج لگا کر معما حل کیجئے۔

مارچ 2014ء میں شائع ہونے والے ''کھوج لگائیے'' کا صحیح جواب یہ ہے:

اخبار بیچنے والا (ہاکر) نے قتل کیا کیوں کہ دروازے پر منگل کے روز کا اخبار تھا، بدھ کے روز کا اخبار موجود نہیں تھا۔ ہاکر نے منگل کے روز قتل کیا تو اس نے بدھ کے روز کا اخبار نہیں پھینکا کیوں کہ وہ آدمی کو قتل کر چکا تھا۔

مارچ 2014ء کے کھوج لگائیے میں قرعہ اندازی کے ذریعے درج ذیل بچے انعام کے حق دار قرار پائے ہیں:

1۔ کنزہ فاطمہ، فیصل آباد
2۔ نادر علی محمد رشید، کراچی
3۔ محمد گوہر مصطفیٰ، رحیم یار خان
4۔ فہد امین، گوجرانوالہ
5۔ رضوانہ بی بی، پشاور۔

# فن پہلوانی

## ...... عروج و زوال

نسرین شاہین

فن پہلوانی کی تاریخ سب کھیلوں سے قدیم بتائی جاتی ہے اور وسعت کے اعتبار سے پہلوانی یا کشتی سب سے مقبول تفریح رہی ہے۔ قدیم مصریوں اور بابل و نینوا کے باسیوں کی تصاویر اور نقوش والے رسم الخط میں پہلوانی کرتے پہلوانوں کی پکڑ اور داؤ پیچ کے جو طریقے واضح طور پر نظر آتے ہیں، وہ آج بھی پہلوانی کے فن کا حصہ ہیں۔ یونان کے دارالخلافہ ایتھنز میں تین بڑے اکھاڑے تھے جن کی عمارتوں کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ یونان کی تاریخ میں ہرکولیس پہلوان کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی جو طاقت اور شہ زوری کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔

یونان کے زوال کے بعد رومی حکومت نے فن پہلوانی کو عروج بخشا۔ شہنشاہ روم کے علاوہ رومی رئیسوں نے بھی اپنے ذاتی اکھاڑے بنا رکھے تھے جہاں نامی گرامی پہلوانوں کے مقابلے کروائے جاتے تھے جس میں پہلوانوں کو انعام و اکرام سے نوازا جاتا تھا۔ رومی شہنشاہ نیرو نے ایک عظیم الشان اکھاڑہ بنوایا تھا۔ جاپان میں بھی کشتی کا کھیل شروع سے مقبول رہا ہے۔ تاریخی حوالوں کے مطابق جاپان میں کشتی کا پہلا مقابلہ 23 قبل مسیح میں منعقد ہوا تھا۔ یونان و روم سے یہ شوق ترکی اور ایران سے ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ شاہ نامہ فردوسی میں ایران کے دو نامور پہلوانوں رستم اور سہراب کا ذکر بڑی اہمیت سے بیان کیا گیا ہے۔ ان دونوں نامور پہلوانوں کو تاریخی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں دیسی کشتی کے فن کو پنجاب کی دھرتی نے خاصی جلا بخشی اور پاکستان کے دو شہر لاہور اور گوجرانوالہ اس فن کے گڑھ قرار پائے۔ پاکستان میں فن پہلوانی کو 1960ء کی دہائی تک بہت عروج ملا۔ پاکستان میں پہلوانی کو عروج دینے والے خاندانوں اور پہلوانوں کی اکثریت کا تعلق صدیوں سے اس فن سے وابستہ تھا۔ برصغیر میں دیسی کشتی کی تاریخ چار سو سال پر محیط ہے۔ برصغیر میں دیسی کشتیوں کے موجد مسلمان تھے۔ ہندو راجوں مہاراجوں نے دیسی کشتی کی بہت حد تک قدر کی اور اس دور کی اہم اور بڑی کشتیاں ہندو راجوں کے محلات میں قائم اکھاڑا نما اسٹیڈیم میں ہوا کرتی تھیں جہاں حفاظت کا معقول انتظام موجود ہوتا تھا۔ کیوں کہ لوگ دُور دراز سے کشتیاں دیکھنے آتے تھے، اس لیے شاہی کارندے خصوصی طور پر ان کشتیوں کی نگرانی کے لیے

متعین کیے جاتے تھے۔

ہندوستان کی جن ریاستوں میں فن پہلوانی کو عروج حاصل تھا ان میں اندور، جونا گڑھ، بڑودہ، جودھ پور، دیتا، پٹیالہ، حیدر آباد، روہیل کھنڈ، بھوپال، کشمیر اور بہاول پور ریاستیں شامل ہیں۔ ریاستی نظام نے جہاں ان پہلوانوں کو معاشی آسودگی اور جاگیروں سے نوازا تھا، وہاں ایسی کشتی کے لیے اکھاڑوں کی حفاظت اور ان کے تقدس کا بھرپور خیال رکھا جاتا تھا۔ اس دور میں کشتی کا فن ایک باعزت اور نیک کھیل تصور کیا جاتا تھا۔ ایک تحقیق کے مطابق نور الدین قطب پہلوان 1635ء میں شاہ جہاں کے دور میں پیدا ہوا، اس نے برصغیر میں پہلوانی کی پہلی ''دف'' بنائی۔ اس نے 361 داؤ ایجاد کیے۔ بعد ازاں برصغیر میں پہلوان تین ''دفوں'' سے پہچانے جانے لگے۔ 1- کالو والی۔ 2- سودے والی۔ 3- لوک والی۔

برصغیر پاک و ہند میں غلام محمد عرف گاما پہلوان جیسا عروج کسی پہلوان کو نصیب نہیں ہوا۔ ایک وقت وہ پوری دُنیا کے فاتح پہلوان کہلائے، تاہم آخری وقت کی زندگی انہوں نے بڑی کسمپرسی میں گزاری۔ ان کی زندگی فن پہلوانی کے عروج و زوال کی بہترین مثال پیش کرتی ہے۔ گاما پہلوان نے 1910ء میں 28 سال کی عمر میں رحیم پہلوان کو ہرا کر رستم ہند کا ٹائٹل جیتا۔ پھر اپنے دو بھائیوں امام بخش اور احمد بخش کے ساتھ برطانیہ میں ورلڈ چیمپئن شپ میں شرکت کے لیے چلے گئے لیکن منتظمین نے انہیں شرکت کی اجازت نہ دی تو گاما پہلوان نے برطانیہ میں تمام پہلوانوں کو چیلنج دیا کہ جو پہلوان صرف پانچ منٹ تک بغیر ہارے ان سے مقابلہ کرے گا وہ اسے پانچ پاؤنڈ دیں گے۔ اس وقت پانچ پاؤنڈ بڑی رقم تھی۔ اس کے بعد گاما پہلوان ہر روز دس پندرہ پہلوانوں کو ہرانے لگے کوئی بھی پہلوان پانچ منٹ تک ان کے سامنے ٹک نہ سکا۔ اسی دوران ایک سرکس کے مالک نے گاما پہلوان کو اپنے سرکس میں فی کس مقابلے کے لیے دوسو پاؤنڈ کی پیش کش کی جس کے بعد گاما پہلوان نے انگلستان کے تقریباً تمام اہم پہلوانوں کو پانچ منٹ سے پہلے چت کر دیا۔

اسی دوران انگریز اپنے سب سے اہم پہلوان ڈاکٹر رولر کو گاما کے مقابلے میں لائے جسے گاما پہلوان نے تین بار پٹخ دیا جس کے بعد ڈاکٹر رولر اٹھ نہ سکا اور ہار گیا، جس کے بعد برطانوی منتظمین نے گاما کو چیمپئن شپ میں شرکت کی اجازت دے دی۔ گاما نے تمام پہلوانوں کو بڑی آسانی سے ہرا دیا۔ فائنل میں گاما کا مقابلہ عالمی شہرت یافتہ اسٹینلے زبسکو سے ہوا۔ 10 ستمبر 1910ء کو لندن کے شیفرڈ بش اسٹیڈیم میں شام چار بجے مقابلہ شروع ہوا تو گاما پہلوان نے زبسکو کو سر کے اوپر اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ تاہم ریفری نے فری اسٹائل کشتی کے قوانین کے مطابق کشتی جاری رکھی۔ سات بجے تک کشتی بغیر فیصلے کے جاری رہی جس کے بعد ریفری نے ایک ہفتے کے لیے مقابلہ ملتوی کر دیا۔

پھر 19 ستمبر 1910ء کو گاما پہلوان ہزاروں تماشائیوں کی موجودگی میں لندن کے اسی اسٹیڈیم میں زبسکو کا انتظار کرتا رہا لیکن

زبسکو گاما پہلوان کی شہ زوری کے خوف کی وجہ سے مقابلے کے لیے نہ آیا اور ایک خط میں اپنی والدہ کی طبیعت ناساز ہونے کا کہہ کر مقابلے سے دستبردار ہو گیا۔ ریفری نے ججوں سے مشورہ کر کے گاما پہلوان کو عالمی چمپئن (رستم زماں) کی بیلٹ عطا کر دی۔ مشہور ہے کہ گاما پہلوان نے برطانوی ہیوی ویٹ چمپئن باکسر "جیک جانسن" اور امریکی نامور پہلوان "فرینک گوچ" کو بھی چیلنج کر دیا، تاہم دونوں مقابلے سے راہ فرار حاصل کر گئے۔ برطانوی اخبار ٹائمز نے دو کارٹون شائع کیے۔ ایک میں گاما پہلوان کو انگریز پہلوانوں کی لاشوں پر کھڑا دکھایا گیا، دوسرے کارٹون میں گاما کو دیکھ کر تمام یورپی پہلوان سوئٹزر لینڈ کی پہاڑیوں کے پیچھے چھپے دکھائے گئے۔

اس کے بعد گاما پہلوان نے تیس سالوں میں بارہ سو پہلوانوں سے کشتی لڑی اور کبھی شکست نہ کھائی۔ پہلے مقابلے کے 18 سال بعد 28 اگست 1928ء کو اسٹینلے زبسکو بھارت آیا تو اس کا مقابلہ گاما پہلوان سے ہوا۔ گاما پہلوان نے چند سیکنڈوں میں زبسکو کو چاروں شانے چت کر کے ہرا دیا۔ گاما پہلوان پٹیالہ ریاست کے راجہ کا شاہی پہلوان تھا، راجہ نے گاما کا تین سو ماہوار وظیفہ لگا رکھا تھا۔ اس کے علاوہ نیپال کے راجہ نے گاما کو چار مربع زمین اور ایک وسیع باغ تحفہ دیا۔ قیام پاکستان کے وقت گاما پہلوان لاہور منتقل ہوا تو انہیں کامران کی بارہ دری کے قریب ایک باغ الاٹ کیا گیا لیکن بعد میں واپس لے لیا گیا۔ 1955ء میں گاما کو دل کا دورہ پڑا، پھر 23 مئی 1960ء کو کسمپرسی کی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔

پاکستان میں عوامی سطح پر فن پہلوانی کو مقبولیت دلانے میں بھولو برادران کا سب سے اہم کردار ہے۔ امرتسر کے نامور پہلوان خاندان کے جدامجد عزیز پہلوان تھے جن کے دو بیٹے غلام محمد عرف گاما پہلوان جو رستم زمان کہلائے اور دوسرے امام بخش پہلوان جو رستم ہند بنے۔ امام بخش کے چھ بیٹوں میں بھولو پہلوان بھی تھا۔ ان چھ بھائیوں نے دیسی اور فری اسٹائل کشتیوں میں پاکستان کا نام دُنیا بھر میں مشہور کیا۔ جس طرح ان کے تایا گاما پہلوان نے دُنیا بھر کے بہترین پہلوانوں کو ہرا کر رستم زمان کا ٹائٹل جیتا، ویسے ہی بھولو برادران نے پوری دُنیا کے پہلوانوں کو چیلنج کیا کہ جو پہلوان ایک بھائی کو ہرائے گا وہ دوسرے بھائی سے مقابلہ کرنے کا اہل ہو گا۔ یہ طریقہ کار اس قدر مقبول ہوا کہ دُنیا بھر میں بھولو برادران کا نام پہلوانوں کی اہم ترین صفوں میں لیا جانے لگا۔ پھر بھولو برادران کی دوسری نسل میں فن پہلوانی کو زوال ہونا شروع ہو گیا۔ اسلم عرف اچھا پہلوان کے بیٹے زبیر عرف جھارا پہلوان نے پاکستانی عوام کی توجہ ایک بار پھر فن پہلوانی کی جانب مبذول کروائی، تاہم ان کی وفات کے بعد امام بخش پہلوان کے خاندان سے کوئی نامی گرامی پہلوان سامنے نہ آیا۔ یوں فن پہلوانی زوال کا شکار ہو گئی۔

## گدھ

چیل کی قسم کا بہت بڑا پرندہ جو گلا سڑا گوشت اور مردار کھاتا ہے۔ اس کے سر پر پر نہیں ہوتے، چنانچہ وہ مردہ گوشت کے اندر اپنا سر گھسیڑتا ہے تو اس کے پَر لتھڑنے نہیں پاتے۔ گدھ تین قسم کے ہوتے ہیں۔

1۔ راج گدھ 2۔ سفید پشت گدھ 3۔ سفید گدھ

راج گدھ ایک بڑا جسیم پرندہ ہے۔ اس کی لمبائی اڑھائی فٹ کے قریب ہوتی ہے۔ گویا وہ چیل سے دگنے ڈیل ڈول کا ہوتا ہے۔ اس کا رنگ سیاہ اور قد اونچا ہوتا ہے۔ بڑا پیٹو پرندہ ہے۔ مردار کے گوشت سے اپنے پیٹ کو ناکوں ناک بھر لیتا ہے اور زمین پر سیدھا بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے اردگرد چیلیں اور گدھ بیٹھے رہتے ہیں جو گویا اس راجا کا دربار ہے۔ اس کی چھاتی سفید اور جسم کے دونوں طرف بھی سفید داغ ہوتے ہیں۔ سفید پشت گدھ پاکستان میں عام ہے۔ جنوری میں بچے انڈوں سے نکلتے ہیں، لیکن عموماً ایک ہی انڈہ ہوتا ہے۔ اس کی پیٹھ کا نچلا حصہ نمایاں طور پر سفید ہوتا ہے، باقی جسم خاکستری بلکہ سیاہ ہوتا ہے۔ اس کی پیٹھ کا سیاہ رنگ بازوؤں کے آخری سرے تک چلا گیا ہے۔ جب اڑتا ہے تو یہ سفید حصہ اوپر ایک طرف ہو جاتا ہے۔ سفید گدھ جس کو مصری گدھ بھی کہتے ہیں، مذکورہ بالا ہر دو گدھوں سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کی لمبائی دو فٹ تک ہوتی ہے اور چال بطخ کی طرح۔ اڑتا ہوا دور سے خوب صورت معلوم ہوتا ہے لیکن پاس سے بھدا اور ناگوار نظر آتا ہے۔ ٹانگوں اور چہرے پر بال نہیں ہوتے۔ چونچ کا سرا خم دار ہوتا ہے۔ ٹانگیں، چہرہ اور چونچ زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔ بازوؤں کے سرے چوڑے اور کالے ہوتے ہیں اور جسم کے باقی حصے پر میلے سے سفید پَر ہوتے ہیں۔ ☆☆

# بولنے والے جوتے

احمد عدنان طارق

بچو! کبھی آپ نے اپنے جوتوں کو غور سے دیکھا ہے، اس میں ایک ایڑی لگی ہوتی ہے اور جوتے کا ایک تلا ہوتا ہے مگر تسموں کے نیچے آپ نے کم ہی غور کیا ہوگا جس کے نیچے ایک چمڑے کا ٹکڑا لگا ہوتا ہے۔ تسمے نکال کر اسے ہاتھ میں پکڑ کر دیکھیں تو ایسے لگتا ہے جیسے وہ جوتے کی زبان ہو۔ اسے اکثر لوگ جوتے کی زبان ہی کہتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اسے شکل کی بجائے اس واقعہ کی وجہ سے جوتے کی زبان کہتے ہیں جب یہ زبان سچ مچ چلنے لگی تھی۔ کہانی پڑھیے اور اس بات کا فیصلہ خود کیجئے۔ یہ ایک لڑکی نادیہ کی کہانی ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب وہ ہر روز اسکول آنے اور جانے کے لیے ایک میل کا فاصلہ طے کرتی تھی۔ کئی دفعہ راستے میں بارش ہوتی تو وہ اپنا چھاتہ اوڑھ لیتی۔

کئی دن جب بہت سردی پڑتی تو وہ اپنا اوورکوٹ پہنتی اور جن دنوں سورج چلچلا رہا ہوتا تو اس کے سر پر کوئی نہ کوئی چھجے دار ٹوپی ہوتی۔ ایک دن جب وہ گھر سے نکلی تو بڑے مزے کی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ وہ اپنے یونی فارم میں ملبوس تھی۔ اس نے اپنے بوٹوں کے تسمے بڑی نفاست سے باندھے ہوئے تھے اور اچھلتی کودتی، گنگناتی اسکول کی طرف جا رہی تھی۔ ابھی وہ آدھے راستے میں ہی تھی کہ کالے بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ لیا اور چھما چھم برسنے لگے۔ بہت موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا اور ایک بڑے درخت کے نیچے کھڑی خود کو گیلا ہونے سے بچانے کی کوشش کرتی رہی۔

جب بارش ختم ہوئی تو اسکول وقت پر پہنچنے کے لیے نادیہ دوڑی۔ اس جلدی میں اس کا پاؤں کیچڑ سے بھرے گڑھے میں پڑا جس سے اس کے جوتے اور جرابیں کیچڑ سے بھر گئے۔ نادیہ روہانسی ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب سارا دن مجھے گیلے جوتوں اور جرابوں کے ساتھ کلاس روم میں بیٹھنا پڑے گا اور عین ممکن ہے کہ اس سے مجھے زکام اور پھر بخار بھی ہو جائے۔ وہ یہ سوچتی ہوئی جا رہی تھی کہ راستے میں اماں جی کا گھر آ گیا۔ وہ اپنے گھر کے باہر بارش کے بعد جمع ہونے والا پانی صاف کر رہی تھیں اور اکیلی تھیں۔ وہ نادیہ کو جانتی تھیں۔

اماں جی نے نادیہ کو آواز دے کر بلا لیا۔ انہوں نے نادیہ کی حالت دیکھ کر افسوس کا اظہار کیا۔ انہوں نے نادیہ سے کہا کہ وہ دیکھتی ہیں کہ کوئی اور جوتے پڑے ہوں جو نادیہ کے سائز ہوں۔ نادیہ اسکول کے لیے اماں جی کی جرابیں لے لے تاکہ واپسی تک نادیہ کے جوتے سوکھ سکیں۔ خوش قسمتی سے ان دونوں کو تھوڑی سی

محنت کے بعد مطلوبہ جوتے مل گئے۔ نادیہ نے گیلی جرابیں اتار کر باہر الگنی پر سوکھنے کے لیے ڈال دیں۔

نادیہ نے اماں جی کے جوتے پہن لیے جن کے بڑے لمبے تسمے اور تسموں کے نیچے جوتوں کی زبانوں جیسے بڑے بڑے چمڑے کے ٹکڑے تھے۔ نادیہ جوتے پہن کر اسکول کی طرف روانہ ہو گئی۔ پیچھے سے اماں جی نے اسے آواز دے کر نصیحت کی کہ آج اسکول میں وہ کوئی شرارت نہ کرے ورنہ اسے پچھتانا پڑے گا۔ وہ کچھ اور بھی بتانا چاہتی تھیں مگر نادیہ تب تک آگے نکل آئی تھی۔ نادیہ البتہ راستے میں سوچتی رہی کہ آج ہی کے لیے اماں جی نے مجھے کیوں نصیحت کی۔ آج آخر کیا خاص بات ہے؟

نادیہ اسکول میں بہت اچھی طالب علم نہیں تھی۔ وہ کلاس میں سبق کے دوران سرگوشیوں اور گفتگو میں مصروف رہتی۔ ہمیشہ انتہائی گندہ ہوم ورک کرتی اور وہ اگلے ڈیسک پر بیٹھی ہوئی اپنی کلاس فیلوز کی چٹیا کھینچتی یا کسی کو چٹکی کاٹ لیتی۔ لہٰذا اس کا شمار کلاس کے شرارتی اور بدتمیز بچوں میں ہوتا تھا۔ نادیہ نے کئی بار اماں جی کی نصیحت کے بارے میں سوچا لیکن اسے سمجھ نہ آئی کہ کیوں خاص طور پر آج اسے شرارت نہیں کرنی ہے۔ پھر اس نے نہایت بے دردی اور بے احتیاطی سے اپنی حساب کی کتاب اٹھائی تو کتاب کا ایک صفحہ بے احتیاطی کی وجہ سے پھٹ گیا۔

جب کتاب کا صفحہ پھٹا تو ایک حیرت انگیز بات ہوئی، ایک بھرائی ہوئی آواز نے کلاس میں چھایا سکوت توڑ دیا۔ ایسی آواز پہلے کسی نے نہیں سنی تھی۔ "کتنی لاپرواہ لڑکی ہے اس کی بے احتیاطی سے کتاب کا صفحہ پھٹ گیا ہے۔" اتنے میں دوسری آواز نے پہلی آواز کا جواب دیا۔ "تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو۔" اس لڑکی کے امتحان میں نمبر کاٹ لینے چاہئیں۔ مسز نعیم جو کلاس میں ٹیچر تھیں، انہوں نے سبق روک کر پوچھا کہ کون بول رہا ہے؟ نادیہ کا رنگ سرخ ہو گیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آخر کون اس طرح گفتگو کر سکتا ہے۔ اس کا ذہن ساتھ والے ڈیسک پر بیٹھے شہیر کی طرف گیا۔ اس نے شہیر کو چٹکی کاٹی۔

اس وقت بھرائی ہوئی آواز گونجی۔ "کیا تم نے دیکھا، نادیہ نے شہیر کو چٹکی کاٹی ہے؟" "نادیہ بہت ظالم لڑکی ہے۔" دوسری آواز نے بھی پہلی آواز کی تائید کی کہ ہاں تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو۔

مجھے بھی نادیہ بالکل پسند نہیں ہے۔ اوہ! یہ کون اس طرح کی بے ہودہ گفتگو کر رہا ہے۔ اس دفعہ چیخنے کی باری نادیہ کی تھی۔ ایسا لگتا ہے کوئی ڈیسک کے نیچے چھپا ہوا ہے۔ مسز نعیم نے عینکوں کے پیچھے سے گھورتے ہوئے کہا۔ سب بچے سن کر اپنے ڈیسک کے نیچے جھانکنے لگے لیکن کسی کے ڈیسک کے نیچے کچھ نہیں تھا۔

میرا خیال ہے بچو ابھی تک آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ آواز کس کی تھی۔ بالکل صحیح سمجھے یہ نادیہ کے جوتوں کی نکلی ہوئی زبانیں تھیں جو آپس میں گفتگو فرما رہی تھیں اور تمام بچے انہیں سن کر حیران ہو رہے تھے۔ تبھی تو نادیہ کے چہرے پر ہر وقت غصہ طاری رہتا ہے۔ ایک زبان نے کہا، یہ بڑی ستم ظریفی ہے کہ وہ اپنا چہرہ آئینے میں نہیں دیکھتی حالانکہ آئینہ دیکھنے سے اسے علم ہو سکتا ہے کہ وہ غصے میں کتنی بُری لگتی ہے۔ تم جو کوئی بھی ہو، خاموش ہو جاؤ۔ مسز نعیم گرجیں اور انہوں نے زور سے اپنی کرسی کے آگے میز کھٹکھٹایا۔ جوتے خاموش ہو گئے اور کچھ دیر کے لیے کلاس میں سکون ہو گیا۔

جوتے بھی مسز نعیم کی گرج دار آواز سے مرعوب ہو گئے تھے۔ کلاس کے بچے دوبارہ لکھنے میں مشغول ہو گئے لیکن نادیہ کی توجہ سبق پر نہیں تھی۔ وہ پنسل نکال رہی تھی کہ پھر کتاب اس کے ہاتھ سے گر کر کھل گئی تو جوتوں کی زبانیں بھی کھل گئیں۔ خدا کی پناہ اس لڑکی کی لکھائی کتنی بدصورت ہے ایک نے کہا اور غلطیاں کتنی ہیں۔ میں اس کا ٹیچر ہوتا تو ابھی اسے کونے میں کھڑا کر دیتا۔ دوسری زبان نے تبصرہ کیا تو نادیہ بے اختیار پاؤں پٹخ کر رونے لگی۔

مسز نعیم نے کہا کہ مجھے پتا تو نہیں ہے کہ کون بول رہا ہے مگر جو بھی ہے نادیہ وہ تمہارے متعلق صحیح کہہ رہا ہے۔ میں نے آج تک دس سال کی عمر میں کسی کو اتنا لاپرواہ اور گندہ ہوم ورک کرتے نہیں دیکھا۔ نادیہ نے سسکیاں بھرتے بھرتے اپنی کتاب اٹھا کر اپنے ڈیسک پر رکھی۔ تب تک جوتوں کی زبانیں پھر شروع ہو گئیں تھیں۔ لو، پھر نادیہ کو غصہ چڑھ گیا۔ دیکھو! کیسا بُرا چہرہ بنا لیا ہے۔ اب دیکھو اگلے صفحے پر غلطی نہیں کرے گی۔ اس نے اگلے صفحے پر کوئی غلطی نہیں کی اور سبق انتہائی خوش خط لکھ کر مسز نعیم کو دکھایا۔ مسز نعیم نے کبھی نادیہ کو اتنا اچھا لکھتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ بہت خوش ہوئیں۔

اُدھر پھر ایک تبصرہ نشر ہوا۔ دیکھا اگر نادیہ کوشش کرے تو خوش

خط لکھتی ہے مگر وہ اتنی ست ہے کہ جان بوجھ کر کام نہیں کرتی۔

ایک جوتے سے آواز آئی میں ست نہیں ہوں، میں ست نہیں ہوں۔ نادیہ نے غصے میں پیر پٹخے۔ نادیہ کے پیر زور سے پٹخنے پر جوتوں کو خاصا جھٹکا لگا اور وہ ایک گھنٹہ کے لیے دم سادھے چپ چاپ رہے۔ پھر جغرافیہ کا پریڈ شروع ہوا۔ اس مضمون سے نادیہ کو نفرت تھی۔ وہ آگے جھکی اور اس نے آگے بیٹھی ردا کی چوٹی کھینچی تو ردا کی چیخ نکل گئی۔ کس نے میرے بال کھینچے ہیں۔ اس نے زور سے کہا تو مسز نعیم غصے سے نادیہ کے پاس پہنچیں اور اس سے پوچھا کہ کیا یہ حرکت اس نے کی ہے؟ مگر جب نادیہ نے انکار کیا تو جوتوں نے جھوٹی جھوٹی کہہ کر شور مچا دیا۔

ایک جوتے نے دوسرے سے پوچھا کہ اتنی جھوٹی بزدل اور ظالم لڑکی کو سزا کیوں نہیں ملتی؟ نادیہ نے سراسیمگی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھا لیکن جس طرح سب حیران تھے وہ بھی حیرت سے سر دھنتی رہ گئی۔ مسز نعیم بھی اب حیرانی سے بولیں کون ہے جو شور مچا رہا ہے۔ باہر آؤ، ورنہ میں سب کو کونے میں کھڑا کر دوں گی۔ ٹیچر مہربانی فرما کر نادیہ کو وہاں کھڑا کریں۔ جوتوں نے اپنی رائے مسز نعیم کو دی۔

پھر جوتوں نے ایک دوسرے کو چپ رہنے کا مشورہ دیا کیوں کہ وہ کلاس کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا چھٹی ہونے تک دونوں جوتے خاموش رہے۔ پھر نادیہ منہ بسورتے اسکول سے گھر جانے کے لیے نکلی ہی تھی۔ کہ اس کے راستہ میں ایک بچہ بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ نادیہ نے بے اختیار اس کو دھکا دیا جس سے وہ گر گیا۔ یہ تو بہت بُری بات ہے۔ اگر نادیہ نے مجھے دھکا دیا ہوتا تو میں اس کو ایک ٹھوکر رسید کرتا۔

ایک جوتے نے حیرانی سے دوسرے جوتے کو بتایا۔ دوسرے جوتے نے کہا، بالکل ٹھیک! میرا خیال ہے کہ نادیہ کی امی کے علاوہ دنیا میں کوئی اسے پسند نہیں کرتا ہو گا کیوں کہ مائیں تو اپنے بدتمیز بچوں کو بھی پسند کرتی ہیں۔ یہ سن کر نادیہ جو ایک باغ سے گزر رہی تھی، وہاں بنے ایک بنچ پر بے چارگی سے بیٹھ کر رونے لگی۔ پھر زور زور سے کہنے لگی میں اپنی امی سے کبھی بدتمیزی نہیں کرتی بلکہ انہیں بہت پیار کرتی ہوں اور میں ہر وقت شرارتیں بھی نہیں کرتیں۔ میں اچھی ہو سکتی ہوں، اگر میں کوشش کروں۔

میں اس پر یقین نہیں کرتا، ایک جوتے نے کہا اور دوسرے نے بھی تائید کر دی۔ قریب سے گزرنے والے بچے یہ سن کر بے اختیار ہنسنے لگے۔ انہیں نادیہ سے ہمدردی تھی لیکن وہ نادیہ کی بہتری کے لیے سمجھتے تھے کہ اس کے ساتھ ٹھیک ہو رہا ہے۔ وہ زار و قطار روتی ہوئی گھر کی طرف چلتی رہی اور جوتے بولتے رہے۔ آخر وہ بی اماں کے گھر پہنچ گئی جو نادیہ کا انتظار کر رہی تھیں۔

بی اماں نے نادیہ کو روتے دیکھ کر تسلی دی اور فوراً پوچھنے لگیں کہ کیا جوتے بہت بدزبانی کرتے ہیں۔ جوتے بدزبانی...... آپ کا کیا مطلب ہے؟ نادیہ نے دیدے پھاڑ کر اماں جی کی طرف دیکھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جوتے جو تم ادھار لے گئیں تھیں، کئی دفعہ پہننے والے کو مشکل میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ پشت در پشت ہمارے خاندان میں چلے آ رہے ہیں۔ میرے بزرگوں میں کسی کو ایک جادوگرنی نے خوش ہو کر دیے تھے۔ ان کی بھی دوسرے جوتوں کی طرح زبانیں ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ یہ بول سکتے ہیں اور بہت ہی باتونی ہیں۔

مجھے امید ہے کہ انہوں نے تمہیں زیادہ تنگ نہیں کیا ہو گا۔ نہیں نہیں، ہم تو صرف سچ بولتے رہے ہیں۔ جوتے اپنی زبانیں نکال کر بولے۔ نادیہ ان کی طرف حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے جلدی جلدی ان کو اتار دیا۔ تو یہ جوتوں کی زبانیں تھیں۔ مجھے علم نہیں تھا نادیہ بولی۔ تو اماں جی نے نادیہ کو کہا کہ تبھی تو ان کی شکل زبان جیسی ہوتی ہے۔ اسی لیے میں نے تمہیں صبح خبردار کیا تھا کیوں کہ شرارت کرنے پر یہ بولنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ میں مستقبل میں کوشش کروں گی کہ شرارت نہ کروں۔ نادیہ نے آہستہ آہستہ مسکرانا شروع کر دیا۔

مجھے بہت بُرا لگا جب کسی نے مجھے پہلی بار ست، بے وقوف اور ظالم کہا۔ مہربانی فرما کر مجھے ایک ماہ کے لیے جوتے اُدھار دے دیں تو میں اچھے کام کروں گی تا کہ یہی جوتے مجھے اچھے کاموں پر تعریف کے قابل سمجھیں۔ اماں جی مان گئیں اور انہوں نے جوتے نادیہ کو دے دیے۔ کتنا مزا آئے گا جب میں کوئی شرارت نہیں کروں گی تو یہ جوتے میرے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کر سکیں گے۔ نادیہ یہ سوچ رہی تھی۔

اب بچو! آپ کی باری ہے، ذرا اپنے متعلق سوچ کر بتایئے کہ اگر ایک دن آپ یہ جوتے پہنیں تو آپ کے بارے میں ان کا کیا تبصرہ ہو گا؟

☆☆☆

# بلاعنوان

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجیے اور 500 روپے کی کتب لیجیے۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10 / اپریل 2014ء ہے۔

مارچ 2014ء کے "بلاعنوان کارٹون" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، اُن میں سے مجلسِ ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، اُن عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔

- چلی تھی مچھلی جھولا لینے، پڑ گئے اس کو لینے کے دینے۔ (ماہ نور، لاہور کینٹ)
- چھوٹی مچھلی نے زور لگایا، بڑی مچھلی کا تختہ اڑایا۔ (رانا بلال احمد، بھکر)
- فزکس کی شاہ کاری دیکھو، مچھلی کی ہوشیاری دیکھو۔ (عبدالرؤف، فیصل آباد)
- یہ کارٹون ہی کچھ ایسا ہے جو چپ ہوں "ورنہ کیا بات کرنہیں آتی۔" (محمد قمرالزمان، خوشاب)
- کیسا صلہ دیا تو نے میرے پیار کا، نہ رہا گھر کا نہ رہا باہر کا۔ (محمد اسماعیل خان، لاہور)